READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM

اے بڑی مشکل ہے سارا

نزہت جبیں ضیاء

جب سے تیرے نام کردی زندگی' اچھی لگی
تیرا غم اچھا لگا' تیری خوشی اچھی لگی
تیرا پیکر' تیری خوشبو' تیرا لہجہ' تیری بات
دل کو تیری گفتگو میں سادگی اچھی لگی

بیس سال کے طویل عرصے بعد وصی چاچو کی واپسی کی خبر نے سارے گھر میں ہلچل مچادی تھی' اس وقت بھی نوجوان پارٹی ڈرائنگ روم میں جمع تھی اور موضوع وہی "وصی چاچو اور ان کی بیٹی" تھا۔ راعیہ کے بارے میں سب کی قیاس آرائیاں عروج پر تھیں۔

"اللہ کا شکر ہے کہ دادو نے یہ فیصلہ کرلیا کہ وصی چاچو کو واپس بلوالیا جائے۔" ربیعہ نے کہا۔

"ہاں واقعی کتنی خواہش تھی وصی چاچو سے ملنے کی۔" حریمہ نے بھی کہا۔

"ہاں یار اگر یہ خواہش تمہاری ہوگی ہماری تو خواہش تھی کہ ان کی اکلوتی حسین وجمیل نیلی آنکھوں اور بھورے بالوں والی بیٹی راعیہ سے ملنے کی تھی۔ یقین کرو کئی بار راتوں کو اسے خواب میں بھی دیکھ....." طلال نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سرد آہ بھر کر ابھی اپنا جملہ پورا بھی نہ کیا تھا کہ حریمہ کا ایک زبردست دھموکا اس کی پیٹھ پر پڑا۔

"کچھ شرم کرو تم۔" حریمہ نے غصے سے کہا۔

"ارے یار! یہ شرم ہی تو مروا دیتی ہے ہر جگہ۔" طلال نے پیٹھ سہلاتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

"سنا ہے وصی چاچو بہت خوب صورت اور ہینڈسم ہیں۔" ربیعہ نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

"ہاں بھئی ظاہر ہے آپی جب پاپا اور ڈیڈی تاؤ جی ابھی تک اتنے ہینڈسم ہیں' تو وہ تو ہوں گے نا۔" حریمہ نے بھی آنکھیں چڑھا کر ہاں میں ہاں ملائی۔

"نہیں ایسا ضروری تو نہیں ہے اب دیکھو ربیعہ بھابی کتنی پیاری ہیں اور تم معمولی شکل وصورت کی سانولی سی شکل والی عام سی لڑکی ہو۔" طلال جو ابھی تک پیٹھ پر پڑنے والے دھموکے کے درد کو محسوس کررہا تھا اس نے حریمہ کی سانولی رنگت پر چوٹ کرکے گویا اپنے درد کا بدلہ لیا تھا۔

"بکواس بند کرو اپنی۔" حریمہ کو ذرا بھی برداشت نہ ہوا تھا۔

"اُفوہ بھئی! چپ کرو تم دونوں ہر وقت بک بک کرتے رہتے ہو' سمجھ نہیں آتا کہ ساری زندگی تم لوگ کس طرح ایک دوسرے کو برداشت کروگے۔" ربیعہ کو ان کی بحث پر واقعی غصہ آ گیا تھا۔

"ارے بھابی کیا کریں' جب آپ بزرگوں نے میرا سر اوکھلی میں دینے کا فیصلہ کرہی دیا ہے تو اب گزارا تو کرنا ہوگا۔" طلال نے معصوم سی شکل بنا کر سر کھجاتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری قبل اس کے کہ حریمہ جواب دیتی باسل آواز لگاتا ہوا آیا۔

"ارے بھئی کسی نے ہماری اکلوتی بیگم کو دیکھا ہے؟"

"اُفوہ ایک تو تمہارے میاں کو ایک منٹ کی دوری برداشت نہیں ہوتی تمہاری۔" طلال نے ربیعہ کو شرارتی لہجے میں کہا تو ربیعہ نے اسے غصے سے آنکھیں دکھائیں۔

"جی جی میں یہاں ہوں۔" ربیعہ نے دو سالہ بیٹی روا کو گود سے نیچے لٹاتے ہوئے کہا۔

"بڑے بھائی! مانا کہ بھابی پر نوے فیصد حق آپ کا ہے تو دس فیصد ہمارا بھی ہے' کبھی ہمارے پاس بھی بیٹھنے دیا کرو ناں۔" طلال نے شرارت سے بھائی کو مخاطب کیا۔

"بلکہ آپ بھی آجاؤ اور ہماری گفتگو میں حصہ لے لو۔"

"اچھا جی آ گیا۔" باسل بھی ان کے درمیان آ بیٹھا۔
انعام شاہ کے تین بیٹے تھے ذکی شاہ نقی شاہ اور وصی شاہ اور ان کی بیگم واجدہ خاتون تھیں۔ ذکی شاہ اور نقی شاہ کی عمروں میں زیادہ فرق نہیں تھا مگر وصی شاہ ان دونوں سے کافی چھوٹے تھے۔ اللہ نے انہیں کوئی بیٹی نہ دی تھی ذکی شاہ کی شادی واجدہ بیگم نے اپنی بھانجی عرفانہ خاتون سے کردی تھی جبکہ نقی کی شادی انعام شاہ کی بھتیجی تسکین سے ہوئی تھی جبکہ وصی شاہ کے لیے انہوں نے عرفانہ خاتون کی چھوٹی بہن تابندہ کو پسند کر رکھا تھا اور بات تقریباً طے ہوچکی تھی۔
انعام شاہ نے یہ بڑا سا حویلی نما مکان بنایا تھا جہاں سب مل کر بہترین زندگی گزار رہے تھے۔ باپ دادا کی زمینیں اور جائیداد تھی جسے فروخت کرکے بزنس کرلیا تھا۔ بیٹوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے اس بزنس مزید اچھا کرلیا تھا۔
عرفانہ خاتون اور تسکین معمولی پڑھی لکھی لیکن نہایت سلجھی ہوئی خدمت گزار اور نیک طبیعت خواتین تھیں اور واجدہ بیگم جن کو ساری زندگی بیٹی نہ ہونے کا ملال ہوتا رہا' بہوؤں کے آجانے پر وہ ملال یکلخت ختم ہوگیا۔ دونوں بہنوں نے اتنی اطاعت گزاری اور خدمت کی کہ وہ بیٹی نہ ہونے کا دکھ بھول گئیں' واجدہ بیگم دونوں کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔
تابندہ گاؤں کے ماحول میں پلی بڑھی کم تعلیم یافتہ مگر بے حد خوب صورت اور سگھڑ تھی۔ ذکی شاہ کے تین بیٹے باسل' ذہاد اور طلال تھے جبکہ نقی صاحب کی دو بیٹیاں ربیعہ اور تحریمہ سب اپنی اپنی مرضی سے پڑھ رہے تھے۔ باسل' ذہاد اور طلال نے تعلیم مکمل کرکے گھر کا بزنس بھی سنبھال لیا تھا' رشتے بھی آپس میں طے ہوگئے تھے۔ باسل اور ربیعہ کی شادی ہوچکی تھی جبکہ طلال اور حریمہ کی منگنی ہوچکی تھی درمیان میں ذہاد تھا دونوں بھائیوں میں قطعاً مختلف طبیعت تھی اس کی کم گو خاموش طبع اور اپنے کام سے کام رکھنے والا حد درجہ سنجیدہ۔ وصی شاہ جب گھر سے گئے تھے اس وقت باسل آٹھ سال کا تھا' ذہاد پانچ سال کا' ربیعہ چار سال کی اور طلال بھی چار سال کا ہی تھا جبکہ تحریمہ پیدا نہیں ہوئی تھی۔

باسل اور ذہاد کے ذہن میں وصی چاچو کا نقشہ اچھی طرح سے تھا' باسل تو اکثر یاد بھی کرتا تھا مگر ذہاد کے دل و دماغ میں وصی کو لے کر تلخ یادیں تھیں۔ ایک نفرت ایک خلیج جو بچپن سے لے کر آج تک دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی' وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوتا چلا آیا تھا اور سارا گھر ذہاد کی اس اندرونی کیفیت سے لاعلم تھا۔
اب جبکہ وصی کے آنے کی خبر گھر میں سرگرم تھی اور سارا گھر خوش تھا مگر ایک ذہاد ہی تھا جو ان تمام کی خوشیوں سے دور اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا اس کا دل چاہا کہ جا کر ابھی دادو کو منع کردے کہ "انہوں نے یہ فیصلہ کیوں لیا؟ وصی چاچو کو اس گھر میں آنے کا کوئی حق نہیں' وہ قاتل ہیں...... دادا جی کے قاتل' آپ کی خواہشوں کے قاتل' آپ کے سہاگ کے قاتل...... امی کے گناہ گار...... تابندہ خالہ کے مجرم پھر بھلا کس منہ سے وہ یہاں آسکتے ہیں۔ نہیں...... نہیں میں دادو سے کہہ دوں گا وہ یہاں نہیں آسکتے ابھی جا کر منع کرتا ہوں ان کو...... وہ کیوں بھول گئیں ان کی زیادتیاں...... ان کی گستاخیاں' خودسری......" یہ سوچ کر وہ واجدہ بیگم کے کمرے کی جانب چل پڑا۔
"عرفانہ بیٹی! کیا تم کو میرا فیصلہ غلط لگا ہے؟ میں جانتی ہوں کہ وصی کی وجہ سے تمہیں بھی شدید دھچکا لگا اور دکھ بھی پہنچا ہوگا اور آج میرے فیصلے سے شاید......"
"کیسی باتیں کررہی ہیں ماں جی آپ؟" عرفانہ خاتون نے تڑپ کر ان کے ہاتھ تھام کر ان کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔ "میں جانتی ہوں ماں جی کہ آپ ماں ہیں اور آپ نے اتنے سال کس اذیت میں گزارے ہوں گے اور پھر جوڑے تو آسمان پر بنتے ہیں' ہم بھلا کون ہوتے ہیں' خدا کے معاملات میں دخل دینے والے' دیکھیں تابندہ بھی تو خوش ہے ناں اپنے گھر میں اور پھر سچ پوچھیں تو ماں جی میں بھی بہت تڑپتی ہوں وصی کے لیے...... آپ تو جانتی ہیں ناں کہ میں نے وصی کو ہمیشہ اپنا چھوٹا بھائی بلکہ بیٹے کی طرح سمجھا ہے اور میں نے تو اسے اسی وقت معاف بھی کردیا تھا اور دیکھیں ناں ماں جی اللہ تعالیٰ نے

اس کے ساتھ بھی کیسا کیا ہے ناں...... سچ تو یہ ہے کہ اتنا ہونے کے بعد بھی میں نے کبھی بھی اسے بددعا تو دور کی بات ہے میں نے اسے ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھا ہے اور آج بچی معنوں میں اسے ہماری ضرورت ہے۔ اسے اپنوں کا ساتھ چاہیے ماں جی! بیس سال کم نہیں ہوتے کسی کو سزا کاٹنے کے لیے اور میں خود بھی اسے دیکھنا چاہتی ہوں اس سے ملنا چاہتی ہوں سینے سے لگانا چاہتی ہوں ماں جی۔'' عرفانہ خاتون شدت جذبات سے مغلوب ہوکر باقاعدہ رونے لگیں۔ واجدہ بیگم کی آنکھیں بھی عرفانہ خاتون کی محبتوں کے آگے نم ہوگئیں۔

''عرفانہ خدا تمہیں شاد وآباد رکھے واقعی تم جیسی بیٹی کو پاکر میں نے دنیا میں جنت کمالی ہے۔'' واجدہ بیگم نے آگے بڑھ کر عرفانہ خاتون کی پیشانی چوم لی۔ ذہاد یہ سب کچھ سن کر الٹے پاؤں واپس اپنے کمرے کی طرف پلٹ گیا' ذہاد اپنے کمرے میں آکر بھی بے سکون اور بے چینی سے ٹہلنے لگا اسے یہ سب کچھ بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔



''بڑی بھابی جلدی سے میرا بیگ پیک کردیں مجھے کچھ دنوں کے لیے بزنس ٹور پر جاپان جانا ہے۔'' وصی شاہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی زور کی آواز لگائی اور ماں جی کے کمرے میں چلا آیا اور ان کے بیڈ پر ان کے ساتھ ٹک گیا۔

''ارے چھوٹی بھاوج! جلدی سے ایک کپ گرما گرم چائے کا تو لادیں۔'' تسکین کو آتا دیکھ کر اس نے دوسری بھاوج کو چائے کا آرڈر دیا اور ماں جی کی گود میں سر رکھ لیٹ گیا۔

''اے ہے...... میرا بچہ کتنا تھکا تھکا لگ رہا ہے کیا ضرورت ہے اتنی محنت کرنے کی۔'' واجدہ بیگم نے اس کے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''ارے نہیں ماں جی۔'' وہ مسکرایا۔ ''سب ہی تو محنت کرتے ہیں اور پھر بابا جان کو دیکھیں ابھی تک آرام سے نہیں بیٹھتے۔''

''ہاں یہ تو ہے اس عمر میں بھی تمہارے بابا جان بہت محنت کرتے ہیں۔'' واجدہ بیگم بدستور سر میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی تائید میں بولیں۔

''یہ لو دیور جی چائے۔'' تب ہی تسکین چائے لے آئیں۔

''تھینک یو سویٹ بھاوج!'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''کتنے دنوں کے لیے جارہے ہو' کتنے جوڑے پیک کروں؟'' عرفانہ خاتون بھی آگئیں۔

''ماں جی! وصی کی آنکھیں دیکھیں کتنے حلقے پڑ گئے ہیں۔'' عرفانہ خاتون کی نظر اس کے چہرے پر پڑی تو قریب آکر غور سے دیکھتے ہوئے قدرے تشویش سے کہا۔

''کام بھی تو بہت کرنے لگا ہے' راتوں کو جاگ جاگ کر۔'' تسکین بیگم نے کہا۔

''آنے دو تمہارے بھیا کو کہہ دوں گی کہ کسی اور کو بھیجیں جاپان۔ وہاں جاؤ گے تو کون رکھے گا تمہارا خیال؟ ویسے ہی تم اپنی صحت کی طرف سے بالکل بے پروا ہو' یہاں پر کام کرتے ہو بس یہی کافی ہے۔'' وصی بھاوجوں کی محبت کے آگے شرمندہ ہونے لگا اس کا دل چاہا اتنی پیاری اور خیال رکھنے والی بھابیوں کی بلائیں لے لے اسی لمحے ذکی آگیا۔

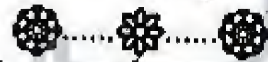
''بس کرو بھئی۔'' انہوں نے سلام کرکے بیگم کو ٹوکا۔ ''اچھا بھلا صحت مند اور توانا ہے ہمارا بچہ۔'' انہوں نے وصی کے مضبوط بازوؤں کو تھپتھپایا۔ ''تم خواتین خوامخواہ ہولتی ہو اور سب کو ہولاتی بھی ہو اور جاؤ جلدی سے چائے لے آؤ' بابا جان اور نقی بھی گاڑی سے اتر رہے تھے بس آتے ہوں گے۔'' ذکی صاحب نے کہا تو عرفانہ بیگم سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ بابا جان اور نقی بھی آگئے سب نے ساتھ چائے پی پھر خواتین تو کچن کی طرف چلی گئیں' رات کے کھانے کی تیاری کے لیے اور مرد بزنس کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

"چاچو میرے لیے گاڑی ضرور لائیے گا جاپان سے۔" چار سالہ ذہاد نے آ کر وصی سے فرمائش کی۔

"ضرور میری جان!" وصی نے ننھے ذہاد کو گود میں اٹھا لیا اور اس کا سرخ و سفید گال چوم کر کہا۔ "ویسے یار سچ بات تو یہ ہے کہ میں جب بھی گھر سے باہر جاتا ہوں سب سے زیادہ تجھے یاد کرتا ہوں۔"

"سچ چاچو......" ذہاد خوش ہو گیا' اسے بھی اپنے چاچو سے بہت پیار تھا وہ بھی اپنی ہر بات چاچو سے پوری کرواتا تھا۔

بہت اچھے اور خوش گوار دن تھے انعام شاہ اور واجدہ بیگم تو خود پر رشک کرتے تھے کہ خدا نے اتنی نیک فرمانبردار اور صالح اولاد دی ہے اور سب مل جل کر آپس میں محبتیں بانٹتے ہیں ایک دوسرے کی خوشی کے لیے ایک دوسرے پر جان لٹانے کی حد تک پیار اور اعتماد کرتے ہیں۔



وصی نے محسوس کیا تھا کہ گھر میں ان کی اور تابندہ کی شادی کے حوالے سے کچھ بات ہو رہی ہے اور عنقریب شادی ہونے کے امکانات تھے' وصی دل سے تابندہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وصی ایک سوشل' پڑھے لکھے اور چلبلے سے بندے تھے' ان کو گاؤں کے ماحول کی سیدھی سادی تابندہ کے ساتھ پوری زندگی گزارنا مشکل لگتی تھی' ویسے تابندہ انہیں اچھی لگتی تھی ہر لحاظ سے پرفیکٹ تھی' کام میں تیز اور خوب صورت بھی مگر جیسا شریکِ سفر وصی کو چاہیے تھا وہ تابندہ جیسی ہرگز نہ تھی۔ وصی نے سوچا تھا کہ جاپان سے آ کر موقع دیکھ کر ماں جی سے بات کریں گے اور انہیں یقین تھا کہ ماں جی ان کی بات مان لیں گی۔ ویسے بھی وصی گھر میں چھوٹے تھے' ماں باپ' بھائی اور خصوصاً بھاوجوں کے بے حد لاڈلے تھے اور اسی لاڈ پیار نے انہیں تھوڑا سا خودسر بھی بنا دیا تھا۔

ایک ماہ کے پروگرام سے وصی گئے تھے مگر کام نبٹاتے نبٹاتے تقریباً ڈیڑھ ماہ لگ گیا اس بار سوچ کر آئے تھے کہ ماں جی سے اپنے اور تابندہ کے حوالے سے فائنل اور حتمی بات ضرور کریں گے۔

وصی گھر لوٹے تو گھر میں شادی کے ہنگامے عروج پر تھے عرفانہ خاتون' تسکین اور ماں جی کپڑوں اور جیولری کی فکر میں تھیں۔ وصی تو پریشان ہو گئے آخر کار انہوں نے اس رات ماں جی سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا' وہ رات وصی شاہ پر بہت بھاری تھی' وہ اپنے کمرے میں بے قراری سے ٹہل رہے تھے۔ ماں جی کو کس طرح منع کریں؟ کیسے ان سے بات کریں یہی سوچ انہیں بے چین کیے دے رہی تھی۔ بار بار عرفانہ خاتون کا چہرہ بھی سامنے آ جاتا کہ تابندہ ان کی بہن تھیں کہیں انہیں یہ بات بُری نہ لگ جائے' پھر ماں جی بہت پیار کرتی تھیں تابندہ کو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ انکار کر دیں اور میری بات نہ مانیں۔

واجدہ بیگم پانی پینے کے لیے اٹھیں تو اپنے کمرے کی کھڑکی سے وصی کے کمرے میں جلتی لائٹ دیکھ کر پریشان ہو گئیں' وصی کبھی بھی اتنی دیر تک نہیں جاگتا تھا۔

"ہائے کہیں بچے کی طبیعت خراب نہ ہو؟" یہی سوچ کر وہ وصی کے کمرے کی طرف آ گئیں' ہلکا سا ناک کر کے وہ اندر داخل ہوئیں۔

"ارے ماں جی آپ؟" وصی نے اچانک ماں کو دیکھا تو چونک کر حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں ابھی میری آنکھ کھلی تیرے کمرے کا بلب جلا دیکھا تو آ گئی' خیریت تو ہے...... طبیعت ٹھیک ہے تیری؟" ماں جی نے آگے بڑھ کر وصی کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"جی جی...... بیٹھیں آپ؟" وصی نے انہیں بیڈ پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "ماں جی ایک بات کہنی تھی آپ سے؟" وصی نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں بولو...... تم پریشان لگتے ہو...... کوئی مسئلہ ہے کیا؟" واجدہ بیگم نے وصی کے ماتھے پر آئے پسینے کے ننھے منے قطروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ...... وہ...... ماں جی دراصل......" وصی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا بات کیسے شروع کریں۔

"ارے بچے کیا بات ہے بول دو مجھے تو ہول اٹھ رہے ہیں۔" واجدہ بیگم پریشان ہوگئیں۔
"ماں جی میں تابندہ سے شادی نہیں کرسکتا۔" ہمتیں مجتمع کرکے آخر وصی نے کہہ ہی دیا۔
"کیا......؟" واجدہ بیگم نے اسے سر سے پیر تک دیکھ کر غیر یقینی انداز میں سوال کیا۔
"جی...... ماں جی!" وصی سر جھکا کر دوبارہ گویا ہوئے۔
"تیرا دماغ تو درست ہے ناں، کہیں پاگل تو نہیں ہوگیا ہے۔ کیا اول فول بک رہا ہے تُو...... کیا سوچ کر یہ بکواس کی تُو نے؟" واجدہ بیگم شدتِ جذبات سے اٹھ کر کھڑی ہوگئیں، ان کے لہجے میں غصے کے ساتھ ساتھ انگارے بول رہے تھے۔
"ماں جی پلیز! آپ اتنا غصہ مت کریں، میری بات ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ میں تابندہ کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کر پاؤں گا، میں آپ سے اس موضوع پر بات کرنے والا تھا کہ آپ لوگوں نے تیاریاں شروع کردیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر سمجھانے والے انداز میں بولا۔
"تابندہ بہت اچھی لڑکی ہے، اس میں بہو اور بیوی بننے کے پورے گن ہیں۔" واجدہ بیگم بدستور تیز اور غصیلے لہجے میں بولیں۔
"جی ماں جی، اس سے میں نے کب انکار کیا ہے وہ لاکھوں میں ایک ہے مگر...... ماں جی پلیز...... ایک بار صرف ایک بار آپ دل سے سوچیں میرے بارے میں آپ بڑی بھابی سے بات کریں انہیں بھی یہ بات سمجھ آجائے گی اور تابندہ کے لیے لڑکوں کی کمی نہیں ہوگی۔ ماں جی پلیز......" انہوں نے آگے بڑھ کر واجدہ بیگم کے ہاتھ تھام کر عاجزانہ لہجے میں التجا کی۔ واجدہ بیگم نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔
"آج تو یہ بات تم نے کہہ دی آئندہ ایسی بات سوچنا بھی نہیں، یہ کسی صورت ممکن نہیں جو فیصلہ ہم نے کردیا وہ اٹل ہے۔ کسی قسم کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں، بہتری اسی میں ہے کہ خاموشی سے شادی کی تیاریاں کرو اور جو آج اس کمرے میں ہماری تمہاری بات ہوئی ہے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں دفن کردو۔"
"ماں جی...... مگر......" وصی آگے بڑھ کر گڑگڑائے۔
"اگر مگر کی کوئی گنجائش نہیں ہے، خاموشی سے لائٹ بند کرو اور سو جاؤ۔ اب اس موضوع پر کبھی بھی کوئی بات نہ کرنا سمجھے تم......" ہاتھ اٹھا کر واجدہ بیگم نے حتمی فیصلہ سنایا اور غصے سے کمرے سے نکل گئیں، وصی ان کی پیٹھ کو بے بسی سے دیکھتے رہ گئے۔
یہ رات وصی کے لیے قیامت کی رات تھی، جس میں نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے گھناؤنا فیصلہ کر ڈالا۔
"کاش ماں جی...... کاش آپ مان جاتیں......" فیصلہ کرتے ہوئے وہ بھی کئی بار ٹوٹے بکھرے مگر......
دوسری صبح حسبِ معمول سب سے پہلے عرفانہ خاتون نماز کے لیے اٹھیں اور باری باری سب کو جگایا اور وصی کو جگانے بھی اس کے کمرے میں آئیں تو وصی کو بیڈ پر نہ دیکھا سمجھیں باتھ روم میں ہوگا مگر باتھ روم کا کھلا دروازہ دیکھ کر چونکیں، وصی کو آوازیں دیں مگر وہ وہاں نہیں تھا۔
"ارے کہاں جاسکتا ہے؟" وہ جلدی سے کمرے سے باہر نکلیں ادھر اُدھر دیکھا، پریشان ہوکر واپس اپنے کمرے میں آگئیں۔
"کیا ہوا؟" ذکی صاحب نے انہیں پریشان دیکھ کر پوچھا۔
"وہ...... وہ...... وصی اپنے کمرے میں نہیں ہے۔"
"ارے ماں جی کے کمرے میں ہوگا۔" ذکی صاحب جو ابھی ابھی وضو کرکے آئے تھے تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے بولے۔
"نہیں ہے وہاں بھی میں دیکھ آئی ہوں۔" وہ خاصی پریشانی سے بولیں۔
"بھابی! وصی کہاں ہے۔" تبھی تسکین بھی آگئیں۔
"نقی...... ذکی...... وصی آجاؤ دیر ہورہی ہے۔" بابا جان نے آواز لگائی، سارے گھر کی لائٹیں جلا کر سب جگہ

دیکھ لیا مگر وصی کہیں نہ تھا۔ نقی وصی کے کمرے سے ہو کر آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا اور چہرے پر حزن و ملال کی کیفیت تھی۔

''کیا ہوا...... کہاں ہے وصی......؟'' انعام شاہ نے پوچھا۔

''بابا جان......'' نقی کی آواز لڑکھڑائی ان سے کچھ بولا نہ گیا' ذکی نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے کاغذ لیا اور پڑھنا شروع کیا۔

''قابل احترام بابا جان اور ماں جی!

بچپن سے لے کر آج تک آپ لوگوں نے میری ہر بات' ہر خواہش' ہر ضد پوری کی ہے' جائز و ناجائز' چھوٹی بڑی جس چیز کی طرف اشارہ کیا آپ لوگوں نے بھائیوں نے وہ چیز میری جھولی میں ڈال دی لیکن میری زندگی کا سب سے بڑا اور اہم فیصلہ کرتے وقت آپ لوگوں نے مجھ سے پوچھنا تک گوارا نہیں کیا' میں نے کئی بار دبے لفظوں میں اور ماں جی سے کھلے الفاظ میں اس بات کا ذکر بھی کیا مگر...... میں یہ نہیں کہتا کہ خدانخواستہ تابندہ بُری لڑکی ہے وہ بہت اچھی نیک اور خوب صورت لڑکی ہے۔ محبت کرنے والی اور خیال رکھنے والی کیونکہ وہ بھابی کی بہن ہے مگر میرے دل میں میرے خیال میں شریک سفر کا جو خاکہ ہے اس میں اور تابندہ میں بہت فرق ہے۔ مجھے بولڈ اور پڑھی لکھی لڑکی چاہیے جو ہر مقام پر میرے قدم سے قدم ملا کر چل سکے' میرا یہ اقدام آپ لوگوں کے لیے بہت تکلیف دہ ہوگا کیونکہ آپ لوگ کسی صورت میری بات نہیں مانتے اور میں ساری زندگی تابندہ کو وہ توجہ وہ پیار اور وہ سب کچھ نہ دے پاتا جو اس کا حق ہوتا اور وہ ساری زندگی غیر مطمئن زندگی گزارتی محض ایک سمجھوتے کی طرح۔ وہ اتنی اچھی ہے کہ اسے رشتوں کی کمی نہیں ہوگی' بڑی بھابی میں بہت بُرا ہوں آپ سے معافی مانگتا ہوں کہ آپ کا دل دکھایا ہے۔ بابا جان' ماں جی میرا قصور شاید آپ لوگوں کی نظر میں ناقابل معافی ہو مگر...... پلیز پلیز جس طرح بچپن میں آپ میری ہر خطا کو میرے ہر قصور کو معاف کر دیا کرتے تھے اسی طرح اپنے بچے کو معاف کر دیجیے گا۔ میں جا رہا ہوں مگر لوٹ آنے کے لیے اس امید پر کہ آپ لوگ مجھے معاف کر دیں گے آپ سب کا گناہ گار...... وصی!''

''نااہل...... ناہنجار...... تو نے...... تُو نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا۔'' انعام شاہ جو دل تھامے خاموشی سے آنکھیں پھاڑے خط سن رہے تھے' خط کے اختتام پر ضبط کے تمام بندھن توڑ کر چیخے اور ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے دل پکڑے زمین کی طرف جھکنے لگے۔

''بابا جان...... بابا جان......'' چاروں جانب سے سارے ان کی طرف دوڑے۔

''ہمیں معاف کر دینا عرفانہ بیٹی! ہمیں اپنے خون سے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ وہ ہمیں اس عمر میں یوں بے عزت کرے گا۔ ناخلف نے ہمیں تم سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہ چھوڑا۔''

''بابا جان...... بابا جان......'' عرفانہ نے تڑپ کر انعام شاہ کے جوڑے ہوئے ہاتھوں کو تھام لیا۔ ''مجھے گناہ گار نہ کریں' خدا کے لیے مجھے گناہ گار نہ کریں بابا جان!'' عرفانہ روتی ہوئی سسر کے ہاتھوں کو چوم کر بولیں اور انعام شاہ نے ایک بے بس سی نظر واجدہ بیگم پر ڈالی اور ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ واجدہ بیگم چیخ مار کر شوہر کے بے جان وجود پر گر پڑیں' عرفانہ اور تسکین پچھاڑیں کھانے لگیں۔ ذکی شاہ اور نقی شاہ عجیب سی بے یقینی کی کیفیت میں باپ کے بے جان وجود کو جھنجوڑنے لگے۔

یہ سب کچھ اچانک سے ہی ہو گیا تھا' کیسے اور کیا ہو گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا شور سے بچے بھی جاگ گئے باسل اور زہاد بھی کمرے سے باہر برآمدے میں آ گئے۔ چھ سالہ زہاد مٹھیاں بھینچے معاملے کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا بس وہ اتنا سمجھ پایا کہ یہ سب کچھ وصی چاچو کی وجہ سے ہوا ہے۔ دادا جان کی موت کے ذمہ دار وصی چاچو ہیں' امی جی اور چچی بلک رہی تھیں۔ پاپا اور نقی چاچو دہاڑے مار رہے تھے دادو تڑپ رہی تھیں اس اچانک اور غیر یقینی افتاد نے جیسے سب کے ہوش و حواس چھین لیے تھے۔ وصی کا

یوں گھر سے چلے جانا اور سونے پہ سہاگہ دادا جی کی موت...... سب لوگوں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جیسے مفقود ہو کر رہ گئی تھی۔

وصی چاچو نے تابندہ خالہ سے شادی نہ کر کے دادا جی کو مارا ہے' یہ بات اس کے ننھے سے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی اور پھر تابندہ خالہ...... اس کی نظروں میں تابندہ کا چہرہ گھوم گیا۔ ذہاد تو تابندہ کے ساتھ بہت زیادہ اٹیچ تھا سب سے زیادہ وصی سے بھی اور تابندہ سے بھی ذہاد کی ہی بنتی تھی۔

تابندہ جب بھی آتی گھنٹوں ذہاد کے ساتھ کھیلتی اس کو نہلاتی' اس کے کپڑے استری کرتی' اس کے ساتھ درختوں پر چڑھ کر آم توڑ توڑ کر کھاتی۔ کتنا خوش رہتا تھا وہ تابندہ کے ساتھ کیونکہ جو جو باتیں امی نہیں مانتی تھیں وہ سب تابندہ سے منوالیا کرتا۔ عرفانہ بیگم کبھی کبھی تابندہ پر غصہ بھی کرتیں کہ تم ذہاد کی عادت بگاڑ کر چلی جاتی ہو وہ مجھے بعد میں تنگ کرتا ہے' تابندہ مسکراتی رہتی اور جب ذہاد کو معلوم ہوا کہ تابندہ خالہ وصی چاچو کی دلہن بن کر ہمیشہ کے لیے اس گھر میں آجائیں گی تو ذہاد تو خوشی سے ناچنے لگا کہ پھر ہم تینوں مل کر خوب کھیلا کریں گے' خوب مزے کریں گے ہے ناں امی۔ وہ عرفانہ بیگم سے تصدیق کرتا تو عرفانہ بھی مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیتیں۔

مگر اس کے ننھے سے معصوم ذہن کو شدید جھٹکا لگا کہ وصی چاچو نے تابندہ خالہ کے ساتھ غلط کیا ہے' جب باسل اور ذہاد تابندہ خالہ کو وصی کا نام لے کر تنگ کرتے تو تابندہ کے خوب صورت چہرے پر کتنے گلاب کھل جاتے' وہ ہولے ہولے مسکراتی رہتیں۔ وصی کے کمرے میں جا کر ان کے کمرے کی صفائی کر دیتیں' ان کے لیے چائے بنا کر خود ان کے کمرے میں جا کے دے آتیں' نیچے سر جھکائے چہرے پر شرم و حیا کا عکس لیے وہ کتنی پیاری لگتیں۔ ذہاد کو تابندہ پر بھی بہت ترس آ رہا تھا۔

''وصی چاچو آپ نے یہ غلط کیا ہے' بہت غلط...... آپ نے میرے دادا جی کو مارا ہے' میری امی جی کو دکھ دیا ہے۔ دادو کو اور...... اور میری تابندہ خالہ کو ٹھیس پہنچائی ہے۔'' وہ دل ہی دل میں کھول رہا تھا' وصی چاچو تو اسے جان سے زیادہ عزیز تھے مگر نہ جانے کیوں ایک لمحے میں وہ اسے دنیا کے سب سے بُرے آدمی لگے۔ ظالم اور گندے آدمی جنہوں نے کتنے لوگوں کو دکھ دیا تھا۔ کتنی آنکھوں کو جل تھل کیا تھا' ہنستا بستا گلشن کس طرح سسکیوں اور اداسی میں ڈوب گیا تھا۔

انعام شاہ کا جس وقت ان کا جسد خاکی اٹھایا جا رہا تھا ہر طرف آہ و بکا اور سسکیاں گونج رہی تھیں' گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ کہ لوگوں نے دیکھا وصی شاہ گھر میں داخل ہوئے' ملگجے کپڑے' بکھرے بال' آنسوؤں سے تر چہرہ اور زرد رنگت لیے وہ دروازے سے آگے بڑھے تھے سامنے ہی ماں جی نظر آئیں۔ ہمیشہ ہلکے رنگوں کے کپڑے پہننے والی ماں جی آج سفید کپڑوں میں سر پر سفید بیوگی کی چادر اوڑھے صدمے اور دکھ سے نڈھال...... وصی تڑپ گئے۔

وہ آگے بڑھے کہ اچانک ماں کی نظر اٹھی عین سامنے وصی کھڑے تھے ٹوٹے' بکھرے اور نڈھال سے وصی جن کی آنکھوں میں ندامت اور بے چارگی کے دکھ آنسوؤں کی شکل میں نمایاں تھے۔ ماں جی کے چہرے کا رنگ یکلخت بدل گیا' دکھ اور ملال کی جگہ سختی اور کرختگی نے لے لی۔

''ذکی......'' انہوں نے اتنی زور سے آواز دی کہ وہاں پر موجود ہر شخص کی نظر ان کی جانب اٹھ گئی۔ ''ذکی......'' انہوں نے بڑے بیٹے کو بھی آواز دی۔

''جی ماں جی۔'' دونوں ایک ساتھ بولے۔

''اس ناخلف کو بولو کہ اپنا ناپاک وجود لے کر یہاں سے فوراً نکل جائے۔'' ماں جی نے وصی شاہ کی طرف اشارہ کر کے نفرت سے کہا۔

''ماں جی...... وہ بابا جی کا آخری دیدار کرنے آیا ہے۔'' ذکی شاہ نے کہا۔

''نہیں اسے کوئی حق نہیں ہے۔'' ماں جی کی آواز میں سختی اور قطعیت تھی۔

''پلیز ماں جی...... ایک نظر دیکھ کر چلا جائے گا۔'' عرفانہ بیگم نے وصی کے دھواں دھواں ہوتے ہوئے

چہرے کو دیکھ کر ماں جی کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

"خاموش ہو جاؤ تم سب۔" ماں جی دہاڑیں۔ "اگر کوئی اس معاملے میں بولا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔ اس سے کہو اپنا منحوس چہرہ ہمیشہ کے لیے گم کرنے میں اس کا وجود ایک لمحے کے لیے بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔"

"ماں خدا کے لیے....." وصی شاہ لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھے لیکن ماں جی پتھر کی ہوگئی سخت دل اور اٹل۔

"اس بدبخت سے کہو اس کے باپ کے ساتھ اس کی ماں بھی مر گئی۔ اسی وقت جس وقت اس نے بنا سوچے سمجھے اس گھر سے اپنے قدم نکالے اور ہاں اگر یہ یہاں ایک منٹ بھی رکا تو تم لوگوں کو یہاں سے دو جنازے اٹھانے پڑیں گے۔" لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

"نہیں نہیں ماں جی خدا نہ کرے۔" سب لوگ ایک ساتھ بولے۔ "آپ کو اللہ تعالیٰ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔" ماں جی کا جملہ وصی شاہ کے لیے ایک لمحے رکنے کا بھی جواز نہیں رکھتا تھا انہوں نے ایک نظر اپنی ماں پر ڈالی بے بسی اور بے چارگی سے بے تحاشہ بہتے آنسوؤں سے باپ کے کفن میں لپٹے بے جان وجود کو دیکھا اور سر جھکا کر سسکتے ہوئے گھر سے نکل گئے۔

"آج کے بعد اس گھر کے اور میرے دل کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس بدبخت پر بند ہوگئے ہیں آج کے بعد نہ کوئی اس کا ذکر کرے گا نہ ہی اس کے لیے کوئی ہمدردی کرے گا۔ تم سب لوگ کان کھول کر سن لو۔"

انعام شاہ کی سوئم بھی ہوگیا' گھر کا ماحول بے حد مکدر ہو چکا تھا ماں جی ہر وقت اپنے کمرے میں بیٹھی قرآن پاک پڑھتی رہتیں۔ ذکی شاہ اور تقی شاہ بالکل ٹوٹ چکے تھے انہیں آج بھی بزنس کے ہر معاملے میں باباجی کی سپورٹ اور مشوروں کی ضرورت تھی۔ وہ آخری دم تک بزنس میں برابر اپنے بچوں کا ساتھ دیتے رہے تھے۔ عرفانہ بیگم اور تسکین بالکل چپ ہو کر رہ گئی تھیں ویسے بھی آج کل تسکین کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ وصی کا کمرہ لاک کر دیا تھا ان کے استعمال کی بیشتر چیزیں اسٹور روم کی الماریوں میں بند ہو چکی تھیں ان سے وابستہ ہر چیز کو نظروں سے اوجھل کر دیا گیا تھا وصی جیسے ایک یاد بن کر رہ گئے تھے۔

انعام شاہ کی تدفین کے موقع پر عرفانہ بیگم کی والدہ آئی تھیں ہفتے بعد سب واپس لوٹ گئے مگر تابندہ یہیں رک گئیں ایک تو یہاں کے حالات ایسے تھے اور دوسرے تسکین کی طبیعت کی وجہ سے کہ کسی وقت بھی وہ ہسپتال جا سکتی تھیں تو گھر میں عرفانہ کے ساتھ وہ ہاتھ بٹا سکتی تھیں۔ ذہاد زیادہ تر تابندہ کے ساتھ چپکا رہتا' اس نے دیکھا تھا کہ تابندہ خالہ جو ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہتی تھیں' شرارتیں کرتی تھیں وہ بالکل چپ ہو کر رہ گئی تھیں۔

راتوں کو اکثر ذہاد اٹھتا تو تابندہ جاگتی ہوئی ملتیں' چپکے چپکے روتی رہتی تھیں۔ ذہاد کا بس نہیں چلتا کہ اپنی خالہ کو کس طرح ہنسائے وہ اپنے طور پر معصوم حرکتیں کرتا' اسے بہلاتا۔ تابندہ سر جھکائے خاموشی سے کام میں لگی رہتی' تسکین کی طبیعت خراب ہوئی تو عرفانہ بھی ان کے ساتھ ہسپتال چلی گئیں۔ تابندہ نے نہایت خوش اسلوبی سے گھر کے کام نپٹائے' ساتھ ساتھ باسل' ذہاد اور ننھی ربیعہ کے سارے کام کرتی۔

واجدہ بیگم اسے دیکھتیں تو انہیں شدید دکھ ہوتا' کتنی پیاری اور مخلص بچی تھی لوگوں کے دکھ سمجھنے والی' عزت کرنے والی' خیال کرنے والی گھر بسانے والی مگر وصی کتنا پاگل تھا۔ ناقدری کی' خود اپنے ہاتھوں سے بربادی کی طرف چلا گیا۔ وصی کو یاد کرتے ہی ان کا غصہ عروج پر پہنچ جاتا اور بلڈ پریشر شوٹ کر جاتا' ایسے میں تابندہ بھاگ بھاگ کر ان کی خدمتیں کرتی' ان کی غذا' دوا کا خاص خیال رکھتی۔

"بیٹی ہمیں معاف کر دینا۔" اس روز تابندہ ان کے سر میں تیل لگا رہی تھی کہ انہوں نے تابندہ کے ہاتھ تھام کر شرمندگی سے کہا۔

"ہم اور خصوصاً وہ بدبخت بدنصیب ہے جس نے تیری قدر نہ کی اور تجھے ٹھکرا دیا۔" ماں جی کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

"ارے خالہ! کیا ہو گیا ہے آپ کو کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ اور ایسا کیوں سوچتی ہیں آپ؟ ایسی باتیں کرتی ہیں تو

مجھے دکھ ہوتا ہے اور خالہ اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے اس میں ہماری بہتری اور بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے۔ بظاہر ہمیں نظر نہیں آتی مگر پس پردہ کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور ہوتی ہے اور پھر یہ نصیب کی بات ہے آپ ایسی باتیں کرتی ہیں تو مجھے بہت بُرا لگتا ہے۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے میں تو اللہ کی رضا سمجھ کر مطمئن ہوں۔" وہ واجدہ بیگم کا ہاتھ تھام کر نرم اور میٹھے لہجے میں انہیں سمجھاتی۔ واجدہ بیگم ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتیں۔

"تابندہ تو ہمیشہ خوش رہے میری بچی اور تُو اپنے گھر پر راج کرے دنیا کی ساری خوشیاں اور آسائشیں تیرے قدموں میں ہوں۔" ماں جی دل سے دعا دیتیں اور تابندہ مسکرا دیتی (آمین ثم آمین)۔



گھر میں اب کوئی وصی کا نام بھی نہیں لیتا تھا وصی کو ایک خواب سمجھ کر بظاہر بھلا دیا گیا تھا' کل کے بچے اب جوان ہو چکے تھے۔ تابندہ کی شادی بہت اچھی فیملی میں ہو چکی تھی وہ اپنے شوہر اور تین بچوں کے ساتھ مسقط میں ٹھاٹ کی زندگی گزار رہی تھی۔

اتنا لمبا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی واجدہ بیگم وصی کے معاملے میں آج بھی اتنی ہی سخت گیر تھیں' ان کے رویے میں کوئی لچک نہ آئی تھی۔ ذکی صاحب نے وصی سے رابطہ قائم رکھا تھا اور اس بات کی خبر گھر کے کسی فرد کو نہ تھی حتیٰ کہ عرفانہ بیگم بھی اس حقیقت سے لاعلم تھیں۔ ذکی نے وصی کو ہمیشہ بیٹے کی طرح سمجھا تھا اس سے خاص انسیت تھی اور لگاؤ تھا گو کہ انہیں بھی وصی شاہ کی یہ حرکت ناقابل معافی لگی تھی مگر وہ فطرتاً نرم دل بھی تھے پھر یہ تو ان کا اپنا خون تھا چھوٹا اور لاڈلا بھائی..... وہ اس سے زیادہ ناراض نہ رہ سکے اور وصی کی آنے والی فون کال ریسیو کرلی تھی اور اس سے مسلسل رابطے میں رہتے تھے مگر گھر والوں سے یہ بات چھپا کر رکھی تھی کہ اگر بھولے سے بھی کبھی ماں جی کو بھنک پڑ گئی تو..... وہ ذکی کو بھی کبھی معاف نہ کریں گی۔



وصی شاہ امریکہ میں تھے وہاں پر مسلمان فیملی میں شادی کرلی تھی' ان کی ایک بیٹی رابعہ تھی۔ وصی کا امریکہ جانا' کاروبار کرنا' شادی اور پھر رابعہ کی پیدائش ہر چیز کی' ہر بات کی خبر ذکی شاہ کو تھی۔ وصی چھوٹی سے چھوٹی بات کا تذکرہ بھی بھائی سے ضرور کرتے اور ان سے مشورے بھی لیتے۔ ان کو ڈھیروں دعائیں دیتے اور پھر اچانک وصی کی بیوی ذامیہ کو بلڈ کینسر جیسا موذی مرض ہوگیا' ذکی شاہ سے بات کر کے وصی بُری طرح بکھر گیا۔

"بھیا..... بھیا..... ذامیہ بہت اچھی' بہت نیک اور محبت کرنے والی بیوی اور ماں ہے' وہ ہمارا بہت خیال رکھتی ہے اگر وہ نہ رہی تو ہم بھی جی نہیں سکیں گے بھیا! میں نہیں چاہتا کہ میں اور میری بچی اس کے بنا رہیں' یہ بہت مشکل ہوگا ہمارے لیے..... بھیا! دعا کریں کہ کوئی انہونی' کوئی معجزہ کچھ ہو جائے ڈاکٹرز تو بالکل ناامید ہیں مگر....." وصی کال کرتے بُری طرح رو پڑے۔

"میرے بھائی تُو فکر مت کر' اللہ بہتر کرے گا۔ ڈاکٹرز ناامید ہیں تو کیا ہوا ہم پُرامید ہیں اپنے خدا سے' ہمیں اپنے رب پر بھروسہ ہے۔ وہ عطا کرنے والا ہے' سننے والا ہے ہم اس سے بھیک مانگیں گے ذامیہ کی زندگی کی۔ وہ..... وہ ہماری ضرور سنے گا۔" ذکی شاہ خود بھی اس کے ساتھ آبدیدہ ہوگئے' وہ کال بند کر کے بیٹھے تھے کہ کمرے میں نقی شاہ آگئے۔

"کیا ہوا بھیا! آپ کچھ پریشان ہیں؟" نقی شاہ نے غور سے ان کے مضمحل چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا' ان کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"ہاں کچھ ایسی بات ہے؟" انہوں نے اپنے سر کو ہلکے سے دباتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا خیر تو ہے بتائیے ناں؟" تب ذکی شاہ نے آہستہ آہستہ ساری باتیں اپنی اور وصی کے ساتھ ہونے والی تمام باتیں' رابطہ اور پھر ذامیہ کی طبیعت کے متعلق ایک ایک بات بتادی۔

"اوہ....." نقی شاہ نے بھی سر تھام لیا۔ "شکر خدا کا یہ ہے کہ آپ اس سے رابطے میں رہے بھیا! سچ پوچھیں تو

مجھے وہ بہت یاد آتا رہا ہے لیکن صرف ماں جی کی وجہ سے میں خاموش تھا۔" لیکن ذامیہ کی طبیعت کا سن کر وہ خاصے پریشان ہوگئے۔ "اللہ تعالیٰ اس کو صحت عطا کرے۔" انہوں نے بھی دل سے دعا دی۔

اس رات عرفانہ کام نپٹا کر کمرے میں آئیں تو ذکی شاہ کو سوچوں میں گم اور پریشان بیٹھا دیکھ کر ان کے قریب آگئیں۔

"کیا ہوا..... آپ لیٹے نہیں ابھی تک؟"

"میں ٹھیک ہوں مگر میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں خاموشی سے سنو۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو عرفانہ ان کے قریب آکر بیٹھ گئیں۔

"مجھے وصی کے بارے میں بات کرنی ہے وہ امریکہ میں سیٹل ہے اس کی شادی کو تقریباً بیس سال ہوگئے ہیں اس کی ایک بیٹی ہے اور اب پتا چلا ہے کہ اس کی بیوی ذامیہ کو کینسر ہے اور وہ کچھ دنوں کی مہمان ہے۔ وصی بہت پریشان ہے۔" ذکی کا لہجہ حد درجہ دکھی تھی۔

"کیا..... کیسے..... مگر آپ کو یہ سب کس نے بتایا؟ کیسے پتا چلا آپ کو وصی کے بارے میں اور..... اور ہمارا وصی کیسا ہے.....؟" عرفانہ حیرت اور پریشان کن لہجے میں سوال پر سوال کیے جارہی تھیں یوں اچانک سے وصی کا ذکر اور اس کے بارے میں معلوم ہونے پر عرفانہ حیران و پریشان تھیں تب ذکی شاہ نے انہیں سب کچھ بتادیا۔

"شکر ہے کہ آپ اس سے رابطے میں رہے آپ یقین مانیں میں نے ان بیس سالوں میں ہر ہر دن وصی کو یاد کیا اس کی کمی محسوس کی۔ اچھا کیا کہ آپ نے اسے تنہا نہیں چھوڑا آپ اس کے ساتھ ساتھ رہے۔" لیکن ذامیہ کے بارے میں سن کر عرفانہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"وصی کیسا ہے..... اس کی بیٹی کتنی بڑی ہے..... وہ کب سے وہاں ہے؟" عرفانہ بیگم نے کئی سوالات کر ڈالے۔

"اس کی بیٹی راعیہ سترہ اٹھارہ سال کی ہوگی وہ جب سے یہاں سے گیا ہے وہیں ہے اور میں چاہتا ہوں یہاں گھر میں ذامیہ کی صحت یابی کے لیے دعا کروائی جائے۔" ذکی شاہ کا لہجہ بھیگنے لگا تھا۔

"ضرور ضرور میں کل ہی انتظام کرواتی ہوں۔" عرفانہ آنکھیں پونچھتی ہوئی اٹھ گئیں آج وہ کافی پرسکون تھیں یہ سوچ کر وصی سے ذکی شاہ کا رابطہ ہے لیکن ذامیہ کی طبیعت کا سن کر عرفانہ بھی دکھی ہوگئی تھیں۔



وقت کے ساتھ ساتھ زہاد سنجیدہ ہوتا گیا تھا باسل ہنس مکھ اور جولی تھا اور طلال بقول حریمہ کے بے حد چھچھورا انسان تھا۔ زہاد بہت کم ان لوگوں کی گیدرنگ میں بیٹھتا تھا وہ آفس سے آکر کمرے میں رہتا کلب چلا جاتا یا پھر کوئی بک وغیرہ پڑھتا۔ جب بھائی کی پیدائش ہوئی تو ایسا تو نہیں کہ امی جی کسی سنیاسی بابا سے مل کر آئی ہوں یہ طلال کی رائے تھی جس کا اثر اسے زہاد بھائی پر صاف صاف نظر آتا تھا۔

ذکی شاہ نقی شاہ اور عرفانہ کی دعائیں بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت نہ پاسکیں کیوں کہ ذامیہ اتنی ہی زندگی لے کر آئی تھی اور بیماری سے لڑتے لڑتے آخر کار کمزور اور ناتواں ذامیہ ہار گئی اور اس نے دم توڑ دیا۔ اپنی بیٹی اور شوہر کو یوں دیار غیر میں اکیلا اور بلکتا چھوڑ کر وہ اپنے خالق حقیقی سے جاملی۔ وصی بری طرح بکھر گئے راعیہ چیخ مار کر گر پڑی۔ وصی کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس نازک وقت میں کس طرح اپنے آپ کو سنبھالیں؟ کس طرح بیٹی کو تسلی دیں وہ اس وقت خود کو کتنے تنہا اور لاچار محسوس کررہے تھے۔ کوئی اپنا قریب نہ تھا ہسپتال کے کوریڈور میں وہ اپنا سر تھامے بنچ پر بیٹھے آنسو بہارہے تھے پاس ہی بیٹی بلک رہی اور اندر بیوی کی لاش تھی اور ہسپتال کی ضروری کارروائی پوری کی جارہی تھی تب ہی ذکی کی کال آگئی۔

"بھیا..... ذامیہ چلی گئی..... مجھے چھوڑ کر چلی گئی بھیا..... میں بہت اکیلا ہوں بکھر گیا ہوں..... کتنا بے بس اور اکیلا ہوں بھیا..... میں کیا کروں؟" کوریڈور میں وصی کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ ذکی شاہ کی آواز سن کر اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ چکے تھے۔ دوسری

جانب ذکی شاہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔

"صبر کرو صبر کرو...... میرے بھائی! ہم کیا کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔"

"بھیا میرے لیے دعا کریں...... بھیا میں نے بابا جی ماں جی کا اور آپ لوگوں کا دل دکھایا ہے ناں اس وجہ سے میں......"

"نہیں نہیں وصی...... ایسا مت کہو۔" ذکی شاہ نے اس کی بات کاٹی۔ "ایسا نہیں ہے بس جس کے نصیب میں جو لکھا ہوتا ہے اسے وہ ملتا ہے ہم کسی کو الزام نہیں دے سکتے۔" ذکی شاہ نے سمجھایا۔

حالانکہ ماں جی اتنی بوڑھی ہوگئی تھیں وقت کے ساتھ جسمانی طور پر کمزور ہوگئی تھیں مگر ان کی تمکنت اور جلال آج بھی ویسا ہی تھا جیسا کہ بیس سال پہلے تھا۔ ان کے مزاج میں کوئی فرق نہ آیا تھا آج بھی وہ وصی کا نام تک سننا پسند نہیں کرتی تھیں۔ وصی کے لیے آج بھی ویسی ہی کٹھور اور سخت دل تھیں جیسا کہ بیس سال پہلے تھیں۔ آج بھی وہ اپنے بڑھاپے کی طرف جانے والے دونوں بیٹوں کو بُری طرح ڈانٹ دیتیں اور بیٹے سر اٹھا کر جواب تک نہ دیتے۔

عرفانہ کو جب ذامیہ کی موت کی خبر ملی تو وہ بُری طرح رو دیں انہیں وصی اور اس کی بیٹی کا رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ کس طرح وہ لوگ اس صدمے کو برداشت کر پائیں گے۔

عرفانہ نے ذکی سے درخواست کی کہ میں وصی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔

"ٹھیک ہے کل جب دن میں ماں جی سو جائیں تو تم اور تسکین بات کر لینا۔" ذکی شاہ نے وصی کا سیل نمبر دیتے ہوئے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" عرفانہ خوش ہوگئیں۔

دوسرے دن دوپہر کے کھانے کے بعد ماں جی حسب معمول اپنے کمرے میں جا کر سو گئیں تو عرفانہ اور تسکین نے اچھی طرح سے اطمینان کر لیا کہ وہ سو چکی ہیں تو وصی سے بات کرنے تسکین کے کمرے میں آ گئیں جب تسکین نے بات کر لی تو عرفانہ نے بات شروع کی دونوں کی پیٹھ دروازہ کی طرف تھی اور دروازہ بھی بھیڑا ہوا تھا۔

عرفانہ نے بات ختم کر کے جیسے ہی سیل آف کیا اور پیچھے مڑیں تو ان کے پیروں تلے زمین نکل گئی دروازے کے بیچوں بیچ ماں جی کھڑی تھیں اور قہر آلود نظروں سے دونوں بہوؤں کو گھور رہی تھیں۔

"کس سے بات ہو رہی تھی......؟" آواز میں سختی نمایاں تھی۔

"وہ...... وہ...... ماں جی......" تسکین کی تو گھگھی بندھ گئی۔

"وہ......وہ......" عرفانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ عین وقت پر پکڑی جانے والی چوری کا کیا جواب دیں۔

"مجھے تم لوگوں سے یہ امید نہ تھی۔" نہایت غصے کے عالم میں ماں جی نے بس اتنا کہا اور واپس پلٹ گئیں۔

"ماں جی...... ماں جی......" دونوں ان کے پیچھے لپکیں اور ان کا ہاتھ تھامنا چاہا مگر انہوں نے بُری طرح دونوں کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

"میں تم لوگوں کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے زہر خند لہجے میں کہتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"بھابی اب کیا ہوگا......" تسکین باقاعدہ رونے لگیں۔ عرفانہ تسکین کا ہاتھ پکڑ کر ماں جی کے کمرے میں آ گئیں۔

"ماں جی! ہمیں معاف کر دیجیے ہم سے غلط ہوگئی۔" دونوں نے ان کے پیر پکڑ لیے۔

"خبردار! تم دونوں نکل جاؤ میرے کمرے سے تمہاری شکلیں بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" ماں جی کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے دونوں روتی ہوئی باہر آ گئیں عرفانہ نے ذکی شاہ کو فون کر کے تفصیل بتائی۔

"دادو چائے پی لیں۔" حریمہ چائے لے کر کمرے میں آئی تو ماں جی آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹی تھیں۔

"دادو......" انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو حریمہ نے دوبارہ انہیں آواز دی۔

"حریمہ! میرے کمرے سے چلی جاؤ اور کسی کو بھی یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے اتنی زور سے کہا کہ حریمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"امی جی! دادو بہت ناراض ہیں۔" باہر آ کر وہ تسکین کے سامنے رو پڑی۔

تھوڑی دیر میں ذکی شاہ اور نقی شاہ آ گئے' سب لوگ ڈرائنگ روم میں جمع تھے اور سوچ رہے تھے کہ کس طرح ماں جی کا غصہ ٹھنڈا کیا جائے' سب پریشان تھے۔

"ہم اچھی طرح اطمینان کر کے ہی کال کرنے بیٹھے تھے۔" عرفانہ نے صفائی دی۔

"وصی ہمارا خون ہے جوانی کے زور پر اس نے گو کہ بہت بڑا قدم اٹھا لیا تھا مگر بھلا جسم سے جان جدا ہو سکتی ہے۔ پانی میں لکڑی مارنے سے ہم پانی کو الگ کر سکتے ہیں کیا؟ کیسے چھوڑ دیتا میں اسے۔" ذکی شاہ کی آواز بھرا گئی۔

دفعتاً سب کی نگاہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر جم گئی جہاں ماں جی کھڑی تھیں۔ شکستہ اور نڈھال سی' یہ وہ ماں جی تو قطعی نہیں لگ رہی تھیں جو اب سے کچھ دیر پہلے تھیں۔ سفاک اور کرخت......

"کیا ہوا اماں جی!" سب لوگ ان کی طرف دوڑے۔

"ذکی...... وصی سے کہہ دو ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔" لڑکھڑاتے لہجے میں کہہ کر ماں جی واپس لوٹ گئیں۔

"یہ...... یہ...... ماں جی نے کیا کہا ہے؟" عرفانہ کو لگا جیسے انہوں نے کچھ غلط سنا ہے۔

"ماں جی وصی سے ملنا چاہتی ہیں۔" سب لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر غیر یقینی انداز میں ایک دوسرے سے تصدیق کر رہے تھے۔

"مطلب...... مطلب ماں جی نے وصی کو معاف کر دیا۔" تسکین کی آواز خوشی کے مارے لرز رہی تھی۔

"ہاں بھابی!" تسکین عرفانہ کی طرف پلٹیں اور ان سے لپٹ گئی ذکی اور نقی حیران تھے۔ یوں اچانک سے چٹانوں جیسی سخت گیر اماں کا بدل جانا انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ٹھہرو میں ماں جی کے پاس جاتا ہوں۔" نقی نے کہا' ذکی شاہ بھی ساتھ ہولیے۔ پیچھے پیچھے عرفانہ اور تسکین بھی چلی آئیں۔

"ہاں بچو!" ماں جی نے انہیں دیکھ کر کہا۔ "تمہارے بابا میرے خواب میں آئے تھے وہ...... وہ بہت پریشان تھے' انہوں نے مجھے کہا واجدہ! بس کرو اب اسے معاف کر دو وہ...... وہ بہت پریشان ہے۔ وہ بہت اکیلا ہے اسے تمہاری ضرورت ہے۔" کہہ کر ماں جی رو پڑیں۔

"ماں جی ہمیں معاف کر دیں کہ ہم نے آپ کی اجازت کے بغیر اس سے رابطہ رکھا۔" ذکی شاہ نے ماں کے ہاتھ تھام کر معافی مانگی۔

"نہیں ذکی! تم نے ٹھیک کیا ورنہ آج میں تمہارے بابا کو کیا جواب دیتی۔ تم وصی کو فون کرو میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" ماں جی نے کہا۔

سوگوار اور مکدر ماحول یکسر بدل چکا تھا' نوجوان پارٹی بھی آ گئی تھی اور سب لوگ بے حد خوش تھے۔

ماں جی وصی سے بات کر کے پھوٹ پھوٹ کر رو دیں' دوسری جانب وصی کا بھی وہی حال تھا انہیں بیوی کی موت کے غم کے ساتھ اپنوں سے دوبارہ رابطہ کرنے کی نوید مل گئی تھی' ماں جی نے انہیں بلوا لیا تھا راعیہ نے سنا تو وہ بھی خوشی سے بے قابو ہو گئی۔

بچپن سے راعیہ نے پاپا کو اپنی فیملی کا ذکر کرتے سنا تھا اس وقت ان کی آنکھوں میں ایک انوکھی چمک ہوتی' اپنوں کا پیار ہوتا تب راعیہ کو اپنے پیارے پاپا پر بے حد ترس آتا وہ سوچتی پتا نہیں پھر سے وہ مل سکیں گے کہ نہیں؟ کیا پاپا ایک بار پھر اپنی فیملی میں اپنے بھائیوں اور ماں جی کے ساتھ رہ پائیں گے؟ کیا میں بھی کبھی اپنے کزنز سے دادو سے اور تائی امی سے تایا جی سے مل سکوں گی؟ کیا ہمارے نصیب میں بھی بڑی سی فیملی ہوگی؟ مگر اس کو اپنے سوالوں کا جواب کبھی بھی نہ ملا' وہ خود ہی اپنے آپ سے سوال کرتی اور لاجواب ہو جاتی کہ اچانک پاپا نے اسے پاکستان جانے کا پُر مژدہ سنایا۔

"سچ پاپا......؟" وہ خوشی سے بے قابو ہونے لگی تھی۔

"واقعی پاپا کیا میں اپنی دادو جی سے مل سکوں گی؟ میں اپنے بہن بھائیوں سے مل کر باتیں کرسکوں گی؟ عرفانہ تائی امی اور تسکین تائی کی گود میں سر رکھ کر ماما کی گود کا سکون پاسکوں گی؟" راعیہ کی بات پر وصی نے اسے سینے سے لگالیا تھا۔

"ہاں میری بچی! ضرور ان شاء اللہ ہم پھر سے ایک ہوجائیں گے۔" ان کے لہجے میں اعتماد تھا۔

ادھر سارے گھر میں ہنگامہ مچا ہوا تھا بیس سال بعد چاچو آرہے ہیں سب سے زیادہ ایکسائٹمنٹ طلال کو تھی کہ ان کی ایک عدد حسین وجمیل امریکن پلٹ بھی آئے گی اور اپنی اتنی جلدی ہوجانے والی منگنی پر سخت نالاں اور افسردہ بھی تھا۔

"یار میری سمجھ میں نہیں آتا بڑے بھیا کہ آپ لوگوں کو میری منگنی کرنے کی اتنی جلدی کیوں تھی؟ کیا میں دیواریں کودنے لگا تھا جو آپ لوگوں نے حریمہ نام کی زنجیر میرے پیروں میں ڈال دی۔" وہ باسل سے مخاطب تھا۔

"تو نکال پھینکو اس زنجیر کو کسی کو شوق نہیں ہے تمہارے ساتھ اپنی قسمت پھوڑنے کا۔" حریمہ نے چلبلا کر جواب دیا۔

"لاحول ولاقوۃ' خاموش ہوجاؤ تم دونوں۔" باسل نے دونوں کو ڈانٹا۔ "ہمیشہ چخ چخ کرتے رہتے ہو میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ راعیہ کا کمرہ کیسے سیٹ کیا جائے۔"

"جی جی بھائی! میں نے سوچ لیا ہے۔" طلال نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا سوچا؟" باسل نے پوچھا۔

"وہ میں نے سوچا ہے کہ میری بڑی بڑی پکس بنا کر کمرے میں لگادی جائیں تاکہ وہ پری وش اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے مجھ جیسے خوبرو نوجوان کو دیکھتی رہے۔" طلال نے ایک آنکھ دبا کر شرارت سے حریمہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"لعنت ہے تم پر۔" حریمہ تنتناتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"او کے جب اٹھ ہی گئی ہو تو پلیز دو کپ چائے بنا لانا۔" طلال نے اسے جاتا دیکھ کر زور سے کہا اور قہقہہ لگایا۔

"یار طلال! ابھی تو سیریس ہوجایا کرو' دیکھو وہ ناراض ہوگئی ناں۔" باسل نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر سرزنش کی۔

"دیکھیں بڑے بھائی ابھی دو منٹ میں منا کر لاتا ہوں۔" وہ اٹھتا ہوا بولا اور واقعی تھوڑی دیر بعد ہی دونوں ہنستے ہوئے ساتھ ساتھ آئے تھے۔ باسل اور ربیعہ دونوں ہی دیکھ کر مسکرادیے۔

پھر موضوع وہی تھا کہ راعیہ کے کمرے میں کیا کیا چیزیں ہونی چاہئیں' اس کے لیے کپڑوں کی بابت بات ہونے لگی۔

"یقیناً وہ جینز ٹی شرٹ اور اسکرٹس وغیرہ پہنتی ہوگی' وہ لینا چاہیے ہمیں۔" ربیعہ نے کہا۔

"میرا خیال ہے تم لوگ ابھی رہنے دو وہ آئے گی تو اس کو ساتھ لے کر جانا اور اس کی پسند کے ڈریسز دلوادینا۔" باسل نے کہا تو ربیعہ نے اثبات میں سر ہلایا تب ہی ذہاد آگیا۔

"آیئے چھوٹے بھائی آپ بھی حصہ لیجیے ہماری باتوں میں۔" طلال نے اسے دیکھ کر پکارا۔

"ذہاد بھیا گڈ نیوز ہے؟" حریمہ بھی جلدی سے بولی۔

"کیسی نیوز......؟" ذہاد نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"وصی چاچو آرہے ہیں پاکستان؟"

"کیا......؟" ذہاد صوفے سے یوں اچھلا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ "اچھا۔" اس نے اندرونی کیفیت کو چھپانے کی ناکام کوشش کی اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

وصی کے آنے کی زبردست تیاریاں ہورہی تھیں' مدت سے بند وصی کا کمرہ کھول دیا گیا تھا' اسٹور روم میں بند اس کی چیزوں کو نکال کر جھاڑ پونچھ کی جارہی تھی' اس کے کمرے کی صفائیاں ہورہی تھیں۔ سارے گھر والے خوش

تھے اور وصی کے آنے کی خوشیاں منا رہے تھے سوائے زہاد کے جو عجیب سی بے چینی اور بے کلی کا شکار تھا۔ اسے پھر سے وہی سب کچھ یاد آنے لگا تھا' دادا کی اچانک موت' تابندہ خالہ کی بے بسی اور سوگوار چہرہ اور......اور تابندہ خالہ کی دوہری زندگی جو وہ گزشتہ کئی سالوں سے گزار رہی تھیں۔ بظاہر مطمئن نظر آنے والی تابندہ اندر سے کتنی ٹوٹی ہوئی' کتنی بکھری ہوئی ہے۔ وہ کتنا پیار کرتی تھیں وصی چاچو کو اور وصی چاچو نے کتنی بے دردی سے انہیں ٹھکرا دیا تھا' گھر کی بربادی کے ذمہ دار وصی چاچو تھے۔



آخر کار وصی شاہ کی آمد کا دن آ گیا' ماں جی صبح سے بہت بے چین تھیں' ان کا دل چاہ رہا تھا کہ جلد از جلد وصی آ جائے اور ان کے سینے سے لگ جائے۔ بیس سال کی دوری برداشت کر لی تھی لیکن چند گھنٹے کی دوری برداشت کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ وصی کو لینے ذکی' تقی اور باسل گئے تھے جبکہ زہاد آج بھی کلب گیا ہوا تھا' وصی گھر آئے تو ماں جی کو دیکھ کر برداشت جواب دینے لگی اور ماں بیٹا لپٹ کر ایسے روئے کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ وصی کے پیچھے کھڑی راعیہ کو ربیعہ اور حریمہ آنکھیں پھاڑے دیکھے جا رہے تھے اور طلال خود کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔

بلیک اور پرپل لائٹ سی ایمبرائیڈری کا سوٹ پہنے بڑے سے جارجٹ کے دوپٹے کو شانوں پر پھیلائے سر پر بلیک اسکارف باندھے' گوری رنگت اور خوب صورت نین نقش والی وہ پزل پزل سی لڑکی کہیں سے بھی امریکن پلٹ نظر نہیں آ رہی تھی۔

"میری بچی......" ماں جی وصی سے ملنے کے بعد راعیہ کی طرف بڑھیں۔ راعیہ بھی لپک کر دادی کے سینے سے لگ کر بری طرح رو دی' کچھ دیر بعد رونے دھونے کا عمل ختم ہوا۔ سب لوگ ماں جی کے کمرے میں جمع ہو گئے وصی بار بار ماں جی کا ہاتھ تھام کر چوم رہے تھے۔ تعارف کے مرحلے طے ہوئے۔

"جاؤ بیٹی جا کر گھر دیکھو۔" عرفانہ نے کہا تو راعیہ' ربیعہ اور حریمہ کے ساتھ باہر کی طرف چل دی' عرفانہ اور تسکین کچن کی سمت بڑھ گئیں۔

"یار کیا زبردست پرسنالٹی ہے چاچو کی۔" طلال نے وصی کو بغور دیکھتے ہوئے باسل سے کہا۔

"کیا کھسر پھسر ہو رہی ہے بھئی؟" وصی نے اسے دیکھ لیا تھا۔

"کہہ رہا ہوں آپ تو بڑے ڈیشنگ ہیں چاچو۔" طلال نے صاف گوئی سے کہا تو سب لوگ ہنس دیئے۔

"بھیا! زہاد نظر نہیں آ رہا۔" وصی نے پوچھا۔

"ہاں کلب جاتا ہے ناں اس ٹائم۔" ذکی شاہ نے جواب دیا اسی وقت تسکین بیگم نے کھانا لگ جانے کا اعلان کیا تو سب لوگ کھانے کی میز پر آ بیٹھے۔ ان لوگوں نے کھانا اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ زہاد آ گیا۔

"السلام علیکم۔" بالکل سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اوئے میرا شیر آ گیا۔" وصی ہاتھ کا نوالہ چھوڑ کر اٹھ گئے اور آگے بڑھ کر وارفتگی سے زہاد کو گلے لگا لیا۔ زہاد نے کوئی خاص گرم جوشی نہ دکھائی۔

"السلام علیکم!۔" راعیہ کی آواز پر زہاد نے پلٹ کر دیکھا۔

"وعلیکم السلام!" زہاد نے غور سے اسے دیکھا عام سے کپڑوں میں دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ اس کا خوب صورت اور دمکتا حسن الگ ہی نظر آ رہا تھا۔

"آؤ یار کھانا کھا لو۔" وصی نے اسے دعوت دی۔

"ایکسکیوزمی میں فریش ہو کر کھانا کھاتا ہوں۔" بے زاری سے کہتا ہوا وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ راعیہ اسے غور سے دیکھتی رہی' آف وائٹ شرٹ اور گہرے ٹراؤزر میں دراز قد' اسمارٹ سا بندہ اسے سب سے الگ اور منفرد لگا جسے دیکھ کر اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔

کھانے کے بعد سب لوگ کامن روم میں جمع ہو گئے۔

"چھوٹی بھابی اب اتنے مزے دار کھانے کے بعد آپ کے ہاتھ کی بنائی ہوئی گرما گرم چائے ہونی چاہیے۔"

وسی نے کہا تو تسکین مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئیں نوجوان پارٹی ڈرائنگ روم میں آ گئی جہاں راعیہ اپنا سوٹ کیس بھی لے آئی تھی اور سب کے لیے لائے ہوئے تحائف دے رہی تھی۔

''ربیعہ بھابی! یہ آپ کے لیے۔'' خوب صورت سوٹ پیس آگے بڑھایا' ساتھ میں میچنگ جیولری بھی تھی۔

''ارے راعیہ! اس کی کیا ضرورت تھی تم چھوٹی ہو ناں۔'' ربیعہ نے کہا۔

''نہیں بھابی ضرورت تو تھی' اس میں میرا پیار شامل ہے۔ میں آپ لوگوں سے پہلی بار مل رہی تھی اس قدر خوشی تھی مجھے کہ میں بیان نہیں کرسکتی۔ سچی بھابی! جب پاپا آپ لوگوں کی باتیں کرتے' آپ لوگوں کا ذکر کرتے تو پاپا کی آنکھیں نم ہوجاتیں اور میں خیالوں میں پاکستان پہنچ جاتی آپ لوگوں کے درمیان آپ سب کے پاس۔ مجھے آپ تمام لوگوں کی ڈیٹ آف برتھ بھی معلوم ہے۔ تایا کی پسند' چھوٹے تایا کی پسند' ناپسند' بڑی تائی اور چھوٹی تائی کی عادتیں' دادا جی اور دادو کی ایک ایک بات' ایک ایک یاد...... پاپا نے اس گھر کی ہر بات مجھ سے شیئر کی۔'' وہ آنکھیں بند کیے جذب کے عالم میں بولتی بہت معصوم لگ رہی تھی۔

حریمہ کو چائے کا کہنے والا ذہاد دروازے پر کھڑا چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''آ جاؤ ذہاد!'' باسل کی آواز پر وہ چونکا۔ راعیہ نے بھی نگاہ اٹھا کر دروازے میں کھڑے ذہاد کو دیکھا' ذہاد اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''ارے یار میرے لیے کیا لائی ہو' پہلے وہ تو نکالو اپنے بیگ سے۔'' طلال نے بے صبری دکھائی تو راعیہ مسکرا کر مزید چیزیں نکالنے لگی۔ آخر میں ذہاد کو دینے والا پیکٹ نکالا۔

''یہ لیجیے آپ کے لیے۔'' راعیہ نے ٹی شرٹ' جینز' پرفیوم آگے بڑھایا۔ ''اور ہاں یہ چاکلیٹ بھی۔'' پرس سے چاکلیٹ کا ڈبہ نکالا۔ ''مجھے پاپا نے بتایا تھا کہ آپ کو بچپن سے چاکلیٹ پسند ہے اور پاپا جہاں بھی جاتے آپ ان سے چاکلیٹ کی فرمائش کرتے تھے۔''

''بچپن کی بہت سے عادتیں اب بدل چکی ہیں' پسند اور ناپسند بھی۔'' ذہاد نے ایک گہری نظر اس پر ڈال کر سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اوہ......'' راعیہ کا مسکراتا چہرہ یکدم پھیکا پڑ گیا۔ اس کا ہاتھ آگے بڑھا رہ گیا' ذہاد کی سرد مہری سب نے محسوس کی تھی۔

''ہاں مگر...... اب وہ لائی ہے تو لے لو۔'' باسل نے جلدی سے کہا تو ذہاد نے پیکٹ تھام لیا۔

''تھینک یو سوچ۔'' نارمل انداز میں کہہ کر وہ اٹھ گیا۔

''حریمہ چائے بناؤ تو مجھے کمرے میں دے دینا پلیز۔'' کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ راعیہ اسے جاتا دیکھنے لگی اس کا رویہ اکھڑا اکھڑا سا تھا باقی سب لوگ کتنے خوش باش تھے اور وہ بےزار۔

''یہ جو چھوٹے بھائی ہیں ناں ہمارے یہ کچھ کچھ آدم بےزار چیز ہیں۔ اس لیے نو ٹینشن۔'' طلال نے راعیہ کے قریب آ کر با آواز بلند سرگوشی کی۔

''نہیں ایسی بات نہیں راعیہ! ذہاد بھائی سوبر ہیں' یہ طلال کی طرح چھچھورے نہیں ہیں۔'' حریمہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طلال پر چوٹ کی۔

''محترمہ حریمہ صاحبہ! مانا کہ آپ کٹ کھنی بلی ہیں مگر...... ابھی کچھ لحاظ کرلو راعیہ پر اتنی جلدی اپنی اصلیت ظاہر کردی تو وہ بے چاری گھبرا جائے گی۔'' طلال کہاں چپ رہنے والا تھا۔

''تم اپنی خیر مناؤ لڑاکا بلے! کیوں کہ راعیہ اب تک تمہاری اصلیت جان چکی ہوگی۔'' حریمہ نے بھی جل کر قرضہ اتارا۔

''اُف او تم دونوں نے تو چپ رہنا سیکھا ہی نہیں۔'' ربیعہ نے دونوں کو بُری طرح گھورا راعیہ لبوں پر دھیمی دھیمی مسکراہٹ سجائے ان دونوں کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہورہی تھی۔

''خاموش ہوجاؤ تم دونوں اور دور دور ہوکر بیٹھو۔ ہر

وقت بک بک چلتی رہتی ہے دلوں کی چپ ہونا تو جیسے گناہ ہے۔ بچوں کی طرح لڑتے رہتے ہو۔" ربیعہ نے دونوں کی اچھی خاصی کلاس لے لی۔

"بھابی پلیز..... لڑنے دیں نا انہیں' مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے' یہ سب کچھ یہ محبت یہ پیار بھرے جھگڑے یہ نوک جھونک' میں نے ایک طویل عمر تنہائی میں گزاری ہے۔ میں ترسی ہوئی ہوں ایسی لڑائیوں کے لیے' ایسی باتیں' ایسی چاہت..... یہ سب کچھ میرے لیے ایک خواب جیسا تھا۔ ایسا خواب جو میں ہر رات سوتے میں دیکھتی اور..... اور جب میری آنکھ کھلتی تو میں ہوتی اور میرا کمرا۔" راعیہ کی آنکھیں بھیگنے لگی۔

"بس میری جان!" ربیعہ نے آگے بڑھ کر اس کی آنکھیں اپنے ہاتھ سے صاف کیں۔ "جو گزر گیا وہ گزر گیا' وہ تمہارے ماضی کا حصہ تھا جو اب لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اب ان شاء اللہ آگے صرف اور صرف خوشیاں ہوں گی' محبتیں ہوں گی' ہم سب کا ساتھ ہوگا۔ ہم سب ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گے' تم سے تمہارا ماضی چھین لیں گے۔" ربیعہ نے راعیہ کو گلے لگا کر سچائی سے کہا تو راعیہ مسکرادی۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں اتنے پیارے اور سچے چاہنے والوں کے درمیان آگئی۔" وہ سوچنے لگی۔

دوسری صبح راعیہ حسب معمول نماز فجر ادا کرنے لان میں چلی آئی' ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس پر ننگے پاؤں چلنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ گلاب کی کیاری کے پاس آگئی' گلاب کے کھلے ہوئے بڑے بڑے سے پھول کے قریب جاکر پھول کی خوشبو اپنے اندر اتارتے ہوئے وہ کسی مصور کے شاہکار سے کم دکھائی نہیں دے رہی تھی اسی وقت ذہاد نے اپنے کمرے کی کھڑکی کا پردہ سرکایا اور لان کی طرف دیکھا' لائٹ گرین سوٹ پر سفید دوپٹہ سر سے لپیٹے وہ کوئی معصوم سی اپسرا لگ رہی تھی' ذہاد کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر بیڈ پر آکر لیٹ گیا۔



وصی ذہاد سے جتنی بات کرنے کی کوشش کرتے بے تکلف ہوتے' ذہاد اتنا ہی لیے دیئے رہتا' وصی کو لگتا کہ شاید وقت کے ساتھ ساتھ وہ سنجیدہ اور سوبر ہوگیا ہے۔

دادو کا فیصلہ تھا کہ وصی کے آنے کی خوشی میں گھر میں بڑی خوشی کا اہتمام ہونا چاہیے اور سب کے مشترکہ فیصلے کے بعد یہ طے پایا کہ طلال اور حریمہ کی شادی کردی جائے۔

"لو بھئی بڑوں نے مکمل ذبح کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے' پہلے تو صرف کھونٹے سے باندھا تھا اور اب..... اب تو چھری پھیرنے کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ چھری بھی اُف..... اتنی تیز اور تند دھار کی ہے حریمہ نام کی۔" طلال راعیہ کے سامنے مسکین اور معصوم شکل بنائے فریاد کررہا تھا اور راعیہ کا ہنس ہنس کر بُرا حال تھا۔

"شکر کرو ابھی حریمہ نہیں ہے ورنہ اسی وقت تمہیں ذبح کرڈالتی۔"

"یار بڑا مزا آئے گا میں بھی دیکھوں گی پاکستانی شادی' بڑے مزے مزے کی رسمیں ہوتی رہیں۔" راعیہ بچوں کی طرح خوش ہورہی تھی' معصومیت سے تالیاں بجاتی اپنی خوشی کا اظہار کررہی تھی اور دور بیٹھا ذہاد اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

شادی کی تاریخ طے ہوئی اور زور وشور سے تیاریاں ہونے لگیں' دادو نے خاص طور پر راعیہ کے لیے خوب کامدار اور جھلمل کپڑے بنوائے تھے۔ راعیہ بہت خوش تھی اور خوب شاپنگ کررہی تھی' وصی نے راعیہ کو اتنا خوش کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ دل سے راعیہ کے لیے دعا مانگتے' ایسے میں انہیں ذامیہ کی یاد آجاتی اگر وہ بھی ہوتی تو کس قدر خوش ہوتی۔ یوں اپنوں کے درمیان رہنے کی تو اس کی بھی خواہش تھی' وہ بھی پاکستان آنا چاہتی تھی مگر..... خدا کی مرضی کے آگے ہم سب بے بس اور لاچار ہیں' وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتے۔

طلال سے حریمہ کا پردہ کرادیا گیا' طلال بہانوں سے کتنے چکر لگاتا مگر ہر بار راعیہ ایک مستند اور ایماندار واچ مین

کی طرح اپنی ڈیوٹی فرض شناسی اور ایمان داری سے پوری کرتی ہوئی ملتی اور طلال منہ لٹکا کر لوٹ جاتا۔

"چھوٹے بھائی اب آپ بھی اپنے بارے میں کچھ سوچیے۔ چھوٹا بھائی بھی گھر بسانے جارہا ہے۔" جب سب اکٹھے ہوتے تو طلال ذہاد کو چھیڑتا۔

"تو فکر نہ کر یار اس کے لیے بھی میں نے سوچ لیا ہے۔" باسل طلال کے کاندھے پر ہاتھ مار کر اسے تسلی دیتا تو ذہاد زیر لب مسکرا دیتا اور راعیہ کا دل دھڑکنے لگتا۔ جانے کیوں راعیہ کو ذہاد اچھا لگنے لگا تھا اس کی سنجیدگی، بردباری راعیہ کے دل میں جگہ بنانے لگی تھی، وہ سب سے الگ اور منفرد تھا۔

رسم مایوں بہت شاندار طریقے سے ادا ہوئی دلہا دلہن کو ساتھ بٹھا کر رسومات ادا کی گئیں۔ طلال کے دوستوں اور حریمہ کی سہیلیوں نے خوب ہنگامے کیے، کیمرے اور مووی کی لائٹیں ایک ایک لمحے کو قید کرتی رہیں۔ اللہ اللہ کر کے یہ تقریب ختم ہوئی تو سب نے رت جگے کا پروگرام بنایا، ابٹن کھیلا، مہندی لگی اور راعیہ ایک ایک لمحے کو دل کھول کر انجوائے کرتی رہی، راعیہ طلال کو ابٹن لگانے کے لیے اس کے پیچھے دوڑی۔ طلال تو کمرے کے اندر بھاگ گیا لیکن اسی وقت دوسرے کمرے سے ذہاد نکلا، راعیہ کے دونوں ہاتھوں میں ابٹن بھرا ہوا تھا اس کی رفتار اتنی تھی کہ وہ چاہتے ہوئے بھی خود کو نہ روک پائی اور ابٹن سے بھرے دونوں ہاتھ ذہاد کے سفید براق کرتے پر پوری طاقت سے چھپ گئے۔

"اوہ نو......" ذہاد اس اچانک افتاد پر بیج پا ہو گیا۔

"کیا ہے یہ سب؟ بچوں کی طرح بھاگتی پھر رہی ہو؟ کوئی طریقہ ہے کہ نہیں...... ستیاناس کر ڈالا تم نے حد ہوتی ہے......"

"اوہ سوری...... میں تو طلال......" اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ اپنی بے عزتی پر شرم کی مارے وہ زمین میں گڑھی جارہی تھی۔ اسے کیا پتا تھا کہ اچانک سے ذہاد آجائے گا۔

"سوری اگین......" وہ سر جھکائے شرمساری سے کھڑی تھی، ذہاد کو خود بھی اپنی زیادتی کا احساس ہو گیا تھا، اسے لگا کہ اس نے کچھ زیادہ ہی کہہ دیا ہے۔

"اٹس اوکے۔" کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

"کیا ہو گیا......؟" طلال آ گیا تھا راعیہ کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ "اوہ یار! آئی ایم سوری...... میری وجہ سے تمہیں اس ہٹلر خان کی باتیں سننی پڑیں۔" وہ شرمندگی سے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا ہٹلر خان پر راعیہ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"ڈونٹ وری یار! وہ ایسے ہی ہیں، تم ٹینشن نہ لو۔ انجوائے کرو یہ لو میرا حسین چہرہ تمہارے سامنے ہے دل بھر کے ابٹن لگا دو۔" طلال نے پل میں ہی اس کا موڈ بدل دیا اور اس نے ہنستے ہوئے بچا کھچا سارا ابٹن طلال کے چہرے پر مل دیا۔

ساری پارٹی بڑے کمرے میں جمع تھی اور محفل موسیقی کا اہتمام کیا جارہا تھا جہاں گھر کے سارے بے سرے اپنا اپنا ٹیلنٹ پیش کرنے جمع تھے، صبح چار بجے یہ بے سری محفل اختتام کو پہنچی۔

دوسرے دن شادی تھی صبح سے ہی گھر میں ہنگامہ تھا سب کو اپنے اپنے کپڑوں کی فکر تھی ذکی شاہ اور نقی شاہ کو خواتین سے پرابلم تھی کہ وہ ٹائم پر تیار نہیں ہوں گی۔ دادو کو صدقے کے بکروں کی فکر تھی۔ ربیعہ اور حریمہ کو پارلر جانے کی جلدی تھی جبکہ راعیہ نے گھر میں تیار ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ راعیہ جب تیار ہو کر آئی تو ذہاد دیکھتا ہی رہ گیا۔ میرون اور فان کنٹراسٹ کا شفون جارجٹ کا کام والا دوپٹہ بڑے اسٹائل سے اوڑھے، گلے میں چھوٹا سا میرون نگینوں والا گلوبند اور اس کے ساتھ کے ہی چھوٹے چھوٹے جھمکے، لمبے سیاہ بالوں میں میرون اور فان پراندہ ڈالے وہ بہت حسین لگ رہی تھی، وہ واقعی بہت حسین تھی۔

حریمہ کو رخصت ہو کر ایک پورشن سے دوسرے پورشن جانا تھا جہاں پر عرفانہ نے اس کا اور طلال کا صدقہ اتارا، رسومات کے بعد حریمہ کو کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ طلال

جانے لگا تو ربیعہ اور راعیہ نے اسے دروازے پر روک لیا۔

"یا وحشت اب کیا مسئلہ ہے پہلے ہی بندہ تھکا ہارا ہے اوپر سے یہ ظلم بھی ہونا ہے۔" طلال نے کہا۔

"ہاں جی! یہ رسم ہے تم کو ہم دونوں کو ڈھیر سارے پیسے دینے ہوں گے تب ہی تم اندر جاسکو گے۔" ربیعہ نے اکڑ کر کہا۔

"واہ جی واہ! ایک تو معصوم پہلے ہی ڈپریشن کا شکار ہے اور یہ فضول رسمیں ابھی باقی ہیں۔" طلال نے منہ بنایا۔

"ہاں جی یہ تو ہوگا ہی آپ ڈپریشن کا شکار ہوں یا ٹینشن کا۔" راعیہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"اچھا بھئی۔" طلال نے جیب میں ہاتھ ڈال کر والٹ نکالا اور راعیہ کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ "اب جاؤں میں' بے چاری اکیلی ہے ناں؟" طلال نے ربیعہ کے قریب آ کر حریمہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں جی' اکیلی کہاں؟ ہم ہیں ناں اسے کمپنی دیں گے۔" راعیہ نے شرارت سے کہتے ہوئے راستہ چھوڑا اور ربیعہ کا ہاتھ پکڑ کر بجائے کمرے سے باہر جانے کے اندر چلی آئی اور حریمہ کے ارد گرد دونوں بیٹھ گئیں۔

"اُف..... " طلال سر تھام کر بیڈ کے پاس رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اب یہ بھی برداشت کرنا ہوگا' حریمہ کی جانب بے بسی سے دیکھتا ہوا سر کھجانے لگا۔ ربیعہ اور راعیہ وہیں بیٹھی رہیں اور طلال بیٹھا جمائیاں لیتا رہا اس کی حالت سے ربیعہ اور راعیہ محظوظ ہوتے رہے بلکہ حریمہ دھیرے دھیرے مسکراتی رہی۔

"طلال اگر تمہیں نیند آرہی ہے تو سو جاؤ۔" ربیعہ نے شرارت سے کہا۔

"جی جی' اب سونا ہی ہے۔" طلال نے بے چارگی سے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ "مگر کچھ شریف لوگ اگر مجھے بیڈ کے کونے پر مختصر سی جگہ دے دیں تو میں کم از کم سو ہی جاؤں۔" اس کی بات پر ربیعہ اور راعیہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں' حریمہ کو بھی ہنسی آ گئی۔

"بھابی چلیں اب چلتے ہیں۔" آخر راعیہ کو ان دونوں پر ترس آ ہی گیا۔

"خدا تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔" ربیعہ نے جاتے جاتے حریمہ کا ہاتھ چوم کر دعا دی۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" ان کے جانے کے بعد طلال نے دوڑ کر دروازہ بند کیا' اس کی عجلت اور بے تابی پر حریمہ زور سے ہنس دی۔

"ہاں ہاں' تم بھی اڑاؤں مذاق..... جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔" حریمہ کی گود میں سر رکھ کر وہ شرارتی انداز میں بولا تو حریمہ جھینپ گئی۔

❀......❀......❀

شادی کے ہنگامے کچھ سرد پڑے تو وصی نے ماں جی سے کہا کہ وہ ایسے ہی عجلت میں آ گئے ہیں اس لیے امریکہ جا کر سب سمیٹ کر مستقل آ جائیں گے۔

"ٹھیک ہے تم جلدی سے واپس آ جاؤ تو پھر راعیہ کے متعلق بھی کچھ سوچیں گے۔" ماں جی نے کہا۔

"جی کیا مطلب؟" وصی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

"دراصل ہم نے سوچا ہے کہ ذہاد اور راعیہ کی بات بھی طے کر دی جائے۔" عرفانہ نے کہا تو وصی یکدم خوش ہو گئے۔

"ارے بھابی یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" دروازے کے باہر کھڑی ربیعہ نے سنا تو خوشی سے بے قابو ہو کر بھاگی اور پھر کچھ دیر بعد ہی ان کے درمیان کھسر پھسر شروع ہو گئی۔

"نہیں بھابی..... " راعیہ کو معلوم ہوا تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

"کیوں..... تمہیں ذہاد پسند نہیں؟" رابیعہ کو اس کا یوں منع کر دینا عجیب سا لگا۔

"نہیں بھابی ایسی بات نہیں ہے وہ تو بہت اچھے ہیں مگر..... مگر..... " راعیہ رک گئی۔

"مگر کیا.....؟" حریمہ نے جلدی سے پوچھا۔

"مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔" اپنی معصوم آنکھوں کو قدرے پھیلا کر اپنا خدشہ بیان کیا۔

"ارے پاگل....." ربیعہ اور حریمہ، اس کی بات پر زور سے ہنس دیئے۔ "ایسی کوئی بات نہیں' لونگ اور کیئرنگ ہے وہ۔ بس ذرا سوبر ہے' بچپن سے ہی وہ عام بچوں سے الگ سوبر اور سنجیدہ ہے مگر ایسا بھی نہیں کہ ذہاد بھیا تم کو کھا جائیں۔" حریمہ نے پرمزاح انداز میں کہا تو راعیہ سر جھکا کر رہ گئی۔

"ویسے ذہاد بہت پیارا بندہ ہے اور تم اس کے ساتھ بہت خوش رہوگی۔" ربیعہ نے اس کے ہاتھ تھام کر سنجیدگی سے کہا۔

"ویسے ایک بات کہوں؟" پھر ایک لمحے رکی اور شرارت سے پوچھا۔

"جی بولیں۔" راعیہ نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہم نے تو اڑتی چڑیا کے پر پہلے ہی گن لیے تھے جناب! ہمیں پتا ہے کہ تمہیں ذہاد اچھا لگتا ہے اور اس کے لیے تمہارے دل میں بہت خوب صورت سے جذبے موجود ہیں' کیوں غلط کہا؟" ربیعہ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

"بھابی پلیز!" راعیہ شرما کر ربیعہ کے سینے سے لگ گئی' بہت خوب صورت اقرار تھا۔



رات کو ذہاد کلب سے لوٹا تو ہر کوئی اسے بڑے معنی خیز انداز میں دیکھ رہا تھا' طلال نے تو کئی بار کھنکھار کر اپنا گلہ بھی صاف کیا تھا' ذہاد کاندھے اچکا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد عرفانہ اس کے کمرے میں آئیں۔

"آیئے امی جی' کیا ہوا؟" اس نے عرفانہ کو دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔

"کچھ بات کرنی تھی تم سے؟" عرفانہ بیڈ پر بیٹھتی ہوئی بولیں۔

"جی بولیں۔" وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

"ہم سب کا خیال ہے کہ تمہاری اور راعیہ کی شادی کردی جائے۔" عرفانہ نے کہا تو ذہاد کرسی سے اچھل پڑا۔

"کیا.....؟ نہیں امی جی۔" بے ساختہ اس کے لبوں سے اٹکلا۔

"دیکھو ذہاد! جو کچھ بھی ہوگا تمہارے فیصلے سے ہوگا اگر تم چاہو تو ایسا ہوگا ورنہ نہیں کیوں کہ ہم سب نے ایک بار یہ غلطی کرکے اس کی سزا بیس سال بھگت لی ہے اور اب مزید برداشت کرنے کی ہمت ہے نہ طاقت۔" عرفانہ کا لہجہ آبدیدہ ہوگیا' ذہاد نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا اور اپنی ماں کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھا اور ایک لمحے میں ہی ذہاد نے بہت کچھ سوچ لیا' اس کے ذہن میں گزرے واقعات کی جھلک تازہ ہوچکی تھی اور اسی لمحے اسے فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی۔

"امی جی! ایسی بات نہیں ہے مجھے آپ لوگوں کا ہر فیصلہ منظور ہے۔ میں..... میں راعیہ سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔" اس کا لہجہ اٹل اور فیصلہ کن تھا اور لہجے میں تیقن نمایاں تھی۔ عرفانہ خوش ہوگئیں آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

وصی بھی مطمئن ہوگئے تو ایک ماہ کے لیے امریکہ چلے گئے۔ ماں جی بھی پرسکون ہوگئی تھیں اس روز ذہاد شام کو آفس سے لوٹا تو دادو نے اسے کمرے میں بلوایا' راعیہ بھی وہیں تھیں۔ ذہاد آیا تو راعیہ کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔ ذہاد نے غور سے اسے دیکھا واقعی وہ چاہے جانے کے قابل تھی۔

"ادھر بیٹھو بچے!" دادو نے اسے قریب بٹھایا۔ "ایک بات بتا؟" دادو نے کہا۔

"جی....." راعیہ اٹھ کر باہر کی طرف چل دی۔

"تو خوش تو ہے ناں ہمارے فیصلے سے؟" دادو نے اس سے پوچھا۔

"جی دادو! میں بہت خوش ہوں۔" وہ قدرے زور سے بولا' دروازے سے نکلتی راعیہ نے سنا تو اسے ڈھیروں سکون ملا' ایک خدشہ جو اسے تنگ کرتا تھا' وہ دور ہوگیا تھا وہ بالکل ہلکی پھلکی ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁

وصی کے لوٹ آنے تک شادی کی تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں' دادو چاہتی تھیں جلد ہی اس فرض سے بھی سبکدوش ہوجائیں کیونکہ وہ اپنی بیماری کی وجہ سے اپنی زندگی کی طرف سے مایوس ہوچکی تھیں۔ تابندہ کو بھی بتادیا گیا تھا وہ بھی اس رشتے پر خوش تھیں۔ گھر میں خوش گوار سی ہلچل تھی' وصی بھی دل کھول کر ارمان نکالنا چاہتے تھے ایک ہی بیٹی تھی جو کچھ تھا اس کا ہی تھا اور پھر اس کو جانا بھی کہاں تھا اپنے ہی گھر سے رخصت ہوکر اپنے ہی گھر میں رہنا تھا۔

شادی سے ایک ہفتہ پہلے تابندہ بھی اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ آگئیں' وصی کو تابندہ سے مل کر ندامت کا احساس ہوا مگر تابندہ نہایت خوش دلی اور نارمل طریقے سے ملیں۔ تابندہ کے شوہر صبیح وصی کے اچھے دوست تھے۔ تابندہ بڑھ چڑھ کے شادی کے ہنگاموں میں حصہ لیتی رہیں ذہاد تابندہ سے ملا تو اسے لگا جیسے تابندہ جان بوجھ کر خوش رہنے کی کوشش کرتی ہیں ورنہ وہ اندر سے خوش نہیں ہیں۔ وہ سارا ڈرامہ کرتی ہے ذہاد کو اپنی معصوم خالہ پر بہت ترس آتا تھا' ساری زندگی دہرے پن میں گزار دی تھی۔ آج بھی بظاہر خوش رہنے کی کوشش کرتیں مگر اندر سے ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ذہاد کے دل میں کوئی پھانس سی چبھ کر رہ گئی۔

مختلف رسمیں ہوئیں اور آخر کار راعیہ اور ذہاد کی شادی کا دن بھی آگیا۔ راعیہ دل میں بے شمار خوب صورت جذبات' سرخ بنارسی کمخواب کے بھاری کام کے شرارے میں ذہاد کی منتظر بیٹھی تھی۔ ربیعہ اور حریمہ نے تو اسے چھیڑ چھیڑ کر ناک میں دم کررکھا۔ ربیعہ کی بے باک باتوں پر راعیہ شرم سے سرخ پڑجاتی' اسے حریمہ مختلف ٹپس دیتی رہی۔ وہ ان دونوں کی باتوں پر جھینپ رہی تھی۔

"اچھا بھئی چلو اب ہم چلتے ہیں' ایسا نہ ہو کہ آپ کے میاں جی آکر ہمیں ہاتھ پکڑ کر باہر کردیں۔" ربیعہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں سچ میں ذہاد بھائی سے کوئی بعید بھی نہیں ہے۔" حریمہ نے بھی شرارت سے کہا تو راعیہ زیرلب مسکرادی۔

راعیہ نے طویل سانس لے کر خود کو سامنے لگے بڑے سے آئینہ میں دیکھا' سرخ بھاری کامدار شرارہ' خوب صورت میک اپ نفیس اور بیش قیمت جیولری میں ہمیشہ سادہ رہنے والی راعیہ غضب ڈھارہی تھی' حیا سے اس کی پلکیں جھکنے لگی تھیں۔

ذہاد اور اس کے قرب کے تصور سے اس پر عجیب سی بے خودی چھانے لگی تھی' خود پر نازاں بھی تھی کہ اتنا پیارا سسرال اور ذہاد جیسا خوب صورت بندے کا ساتھ' وہ آپ ہی آپ مسکرانے لگی تب ہی دھیرے سے دروازہ کھلا اور ذہاد اندر آیا۔ راعیہ کی نگاہیں جھکتی چلی گئیں اور اس کے پیروں پر جاٹکیں' خوب صورت سرخ وسفید پیروں میں میچنگ میرون کھسہ اس کی نظروں کی زد میں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کے قریب آیا اور راعیہ کا سر مزید جھک گیا اور دل کی دھڑکنیں بے قابو ہونے لگیں۔ اس کی سماعتیں ذہاد کے لبوں سے نکلنے والے خوب صورت جملوں کی منتظر تھیں' اس کے نرم وملائم نازک حنائی ہاتھ ذہاد کے گرم اور مضبوط ہاتھوں کے لمس کے طالب تھے۔ دل میں مچلنے والے بے شمار خوب صورت جذبات کو سنبھالے وہ ذہاد کے مخاطب کرنے کی منتظر تھی۔

"محترمہ راعیہ بنت وصی شاہ!" اتنے اجنبی اور بے تکے انداز مخاطب پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ "آپ جس لہجے اور رویے کی منتظر ہیں' جس سلوک کا آپ کو انتظار ہے وہ آپ کو کبھی بھی نہیں ملے گا۔"

"جی...... جی...... یہ کیا مذاق ہے...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اس کی خوب صورت آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"جی محترمہ راعیہ صاحبہ! آپ مجھ سے کسی قسم کے خوش گوار تعلق کی قطعاً امید مت رکھیں اور یہ غلط فہمی بھی اپنے دل ودماغ سے نکال دیں کہ آپ سے شادی میں میری پسند یا آپ کی ذات سے دلچسپی کا کوئی عنصر ہے یا میں آپ کو محبت اور وہ مقام دوں گا جس کی آپ متمنی ہیں۔"

ایسا تو کبھی مر کر بھی نہیں ہوسکتا۔" اس کے لہجے میں تلوار جیسی کاٹ تھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ کچھ نہ سمجھتی ہوئی بمشکل اپنے حواسوں پر قابو پا کر سراپا سوال تھی۔

"بات تو کڑی ہے مگر...... سچ اور حقیقت یہ ہی ہے کہ مجھے تم سے اور تمہارے باپ سے نفرت ہے...... شدید نفرت...... تمہارا باپ قاتل ہے میرے دادا جی کا...... وہ قاتل ہے میری معصوم اور بھولی بھالی خالہ کے ارمانوں کا...... اس کے جذبات کا' اس کی برسوں کی چاہنے والی محبت کا' میری ماں کی خواہشات کا قتل کیا ہے تمہارے باپ نے' جس نے ایک ماں کی طرح اس کا خیال رکھا۔ میں نہیں بھول سکتا وہ بھیانک اور قاتل رات جس میں دادا جی ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے۔ نہیں بھول سکتا تابندہ خالہ کی سسکیاں...... ان کی وہ ویران آنکھیں اور اس میں سجے تمہارے باپ کی سنگت کے ادھورے سپنوں کو...... آج بھی میری سماعتوں میں تابندہ خالہ کی دبی دبی سسکیاں گونجتی ہیں۔ کیسے بھلادوں میں وہ منظر جب میرے دادا جی جنہوں نے ہمیشہ شان دار نوابوں والی زندگی گزاری تھی لیکن جب انہوں نے مرتے وقت اپنے ہاتھوں کو جوڑ کر اپنی بہو سے معافی مانگی تھی' تمہارے باپ کے گناہ کی معافی انہوں نے مانگی تھی...... اس وقت ان کی آنکھوں میں جو بے بسی' بے چارگی اور شرمندگی تھی...... وہ آج بھی میری نظروں میں محفوظ ہے اور پھر میری دادو کے سر پر سفید چادر وہ بھی تمہارے باپ کی وجہ سے آئی اور آج...... آج تم اسی باپ کی بیٹی...... بڑے مان اور چاؤ کے ساتھ بڑے ارمانوں کے ساتھ میری سیج سجانے آئی ہو تو کان کھول کر سن لو تم کبھی بھی میرا پیار' میرا ساتھ اور میری قربت کو نہیں پاسکو گی۔ میں نے تم سے شادی کی تو صرف اس لیے کہ تمہیں احساس دلاسکوں کہ جب دل پر چوٹ لگتی ہے تو کتنا درد ہوتا ہے۔ جب دل پر زخم لگتے ہیں تو کتنی ٹیسیں اٹھتی ہیں' میں تمہارے لیے صرف ایک پتھر ہوں جس پر تم سر پھوڑ سکتی ہو لیکن یہاں سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا سوائے درد کے' تکلیف اور زخم کے۔ تم بھی تڑپو گی میری خالہ کی طرح' تم جتنا تڑپو گی مجھے اتنا سکون ملے گا جو آگ تمہارے باپ نے برسوں پہلے لگائی تھی آج سے اس آگ میں تم جلو گی۔ اپنے باپ کا بویا تمہیں کاٹنا ہوگا۔"

وہ لفظوں کے نشتر زہر میں ڈبو ڈبو کر اس کے سینے میں اتار رہا تھا اور راعیہ آنکھیں پھاڑے دکھ اور حیرت کی مجسم تصویر بنی اس کے ہونٹوں سے نکلنے والے ایک ایک لفظ کو اپنے اندر اتار رہی تھی۔ کتنا زہر تھا اس کے اندر جو وہ اگلتا جارہا تھا۔ کتنی نفرت چھپا رکھی تھی اس نے پاپا کے لیے' کتنی سفاکی اور سختی تھی اس کے لہجے میں کتنے شعلے برس رہے تھے اس کے الفاظ میں۔

"مگر...... مگر تابندہ خالہ کی تو شادی ہوگئی۔" اس کے کانپتے لبوں سے بمشکل نکلا۔

"ہاں ہوگئی شادی...... میری خالہ حسین تھیں' نیک تھیں سلیقہ شعار اور معصوم تھیں تو کیوں نہ ہوتی ان کی شادی اگر تمہارے باپ نے ان کی قدر نہ کی تو کیا وہ ساری عمر بیٹھی رہتیں لیکن میں جانتا ہوں میری خالہ کے دل و دماغ پر صرف وصی شاہ کا نام تھا۔ بچپن سے ان کو وصی شاہ کے نام سے جوڑ دیا گیا تھا اور وہ اسی نام کے ساتھ جیتی رہی تھیں۔ وہ ان کے لیے تڑپتی تھیں' تمہارے باپ کے لیے راتوں کو میں نے خالہ کو سسکتے دیکھا ہے اور اب تم...... تم تڑپو گی میری چاہت کے لیے' میری قربت اور ایک نگاہ التفات کے لیے لیکن تمہیں یہاں سے کچھ نہیں ملے گا سوائے نفرت' حقارت' بے اعتنائی کے۔" راعیہ اس کے زہر آلود جملوں کو اپنے اندر اتار رہی تھیں اس کی خوب صورت آنکھوں سے متواتر آنسو بہہ رہے تھے۔ کیسا سچ اگل رہا تھا وہ' کتنا زہر بھرا ہوا تھا اس کے اندر وصی شاہ کے لیے' کتنی نفرت' کتنا کینہ......

"ذہاد پلیز...... جو ہوا وہ بھول جائیں' دیکھیں تو پاپا خود بھی کتنے دکھی ہیں اور...... اور سارے معاملے میں میرا کیا قصور ہے؟" وہ چیخ تھی۔

"تمہارا قصور...... تمہارا قصور یہ ہے کہ تم وصی شاہ کی

بنی ہو۔ قصور تو میری خالہ کا بھی نہیں تھا ان کو کس بات کی سزا ملی؟ انہیں کیوں ٹھکرایا گیا؟ اٹھو چلو چینج کرو مجھے وحشت ہو رہی ہے تمہیں دیکھ کر۔" بات ختم کر کے وہ اس کی طرف دیکھ کر دوبارہ حقارت سے بولا۔ راعیہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"اور ہاں....." اس نے جیب سے ایک ڈبیہ نکال کر اس کی طرف اچھالی۔ "یہ لو میری امی جی نے خاص طور پر دیا ہے..... یہ ڈال لو اپنے ہاتھوں میں خبردار جو اسے اتارا۔" خوب صورت جڑاؤ کنگن تھے اسے بے تحاشہ رونا آ گیا۔ منہ دکھائی میں یہ بھیک ملی تھی اسے اور ساتھ ہی زہریلے جملے دکھ تذلیل اور بے عزتی بھی..... ڈبیہ پھینک کر اپنے کپڑے اٹھا کر وہ باتھ روم میں چلا گیا راعیہ اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔

اتنا خوب صورت اور ہینڈسم انسان اور اندر سے اتنا سفاک بے رحم بھی ہوسکتا ہے یہ سب کیا ہو گیا ہے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں جیسے ختم ہو چکی تھیں۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کچھ بھی ہوسکتا ہے کئی برس پہلے ہونے والا واقعہ اس کے پاپا کی ایک غلطی آج اتنے برسوں بعد اس کی زندگی میں ایسا طوفان لائے گی جو وہم وگمان میں بھی نہ تھا آئینے میں خود کو دیکھا ابھی کچھ دیر پہلے کتنی حسین دکھائی دے رہی تھی مگر اچانک ہی بے وقعتی اور حقارت نے اسے کیسا پژمردہ بنا دیا تھا۔

"یا اللہ میں کیسے جی سکوں گی؟" وہ ایک ایک کر کے زیور اتارنے لگی کانچ کی نازک چوڑیاں اس کے خوب صورت حنائی ہاتھوں میں بجنے لگیں۔ یہ چوڑیاں جو سہاگ کی نشانی تھیں کیسا سہاگ..... وہ آنسو بہاتی چوڑیاں اتارنے لگی تب ہی وہ باتھ روم سے نکلا۔

"کان کھول کر سن لو اگر دادو کو یا کسی کو بھی ذرا سی بھنک دی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا سمجھیں۔" انگلی اٹھا کر سفاک لہجے میں وارننگ دی۔

یا خدا یہ کیسا امتحان ہے وہ زخم پر زخم لگائے جارہا تھا وہ بنا کچھ کہے شرارہ سنبھالتی ہوئی اٹھی اور الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔ چینج کر کے آئی تو ذہاد بیڈ کے کونے پر سگریٹ پی رہا تھا۔

شرارہ تہہ کر کے ہینگ کیا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنے بال سلجھانے لگی ابھی کچھ دیر پہلے کتنی خوش تھی وہ ربیعہ اور حریمہ کے خوب صورت بے باک اور ہلچل مچا دینے والے جملوں سے شرماتے ہوئے کتنی حسین لگ رہی تھی۔ لیکن سب کچھ ایک لمحے میں ختم ہو گیا تھا۔ سارے جذبے سرشاری سارے خواب ایک جھٹکے میں کرچی کرچی ہو گئے تھے اس کے نرم و نازک وجود کی دھجیاں اڑا کر وہ مطمئن انداز میں آنکھیں بند کیے سو چکا تھا۔

"یا اللہ میں کس طرح سب کا سامنا کر پاؤں گی؟" وہ خود سے سوال کر بیٹھی۔ "اف خدایا....." راعیہ نے غور سے اس دشمن جان کو دیکھا جس کی قربت کے لیے اس نے ایک ایک پل گن کر گزارا تھا جس کے لیے اتنا سجی سنوری تھی۔ اس نے تو آنکھ بھر کے دیکھنے کی زحمت تک نہ کی۔ راعیہ نے خود کو آئینے میں دیکھا کتنا مکمل حسن تھا اس وقت میک اپ سے عاری دھلے ہوئے روئے روئے چہرے میں وہ مزید حسین لگ رہی تھی۔ دل تھا کہ امڈتا چلا آرہا تھا آج کی رات اس حسین رات کے بارے میں کتنا کچھ سنا تھا اس نے اور پھر ربیعہ اور حریمہ نے تو اسے چھیڑ چھیڑ کر ناک میں دم کر دیا تھا۔ ایک ایک بات پر ایک ایک جملے پر وہ کتنا بلش ہوئی تھی لیکن ذہاد تو رگ رگ میں بے وقعتی کا زہر اتار کر سو چکا تھا محبتوں کو پامال کر کے مطمئن تھا۔ ایک لمحے کے لیے بھی راعیہ کی دلی کیفیت اس کے جذبات کا خیال نہ آیا تھا اسے ایک بار بھی راعیہ کے اور اپنے رشتے کا احساس نہ ہوا تھا اسے اور پھر کتنی بے رحمی سے کتنی سفاکی سے یہ حکم بھی صادر کر دیا تھا کہ کسی کے سامنے ظاہر بھی نہ کروں گویا میں آج سے دہری زندگی گزاروں......

"یا الٰہی مجھے ہمت دینا حوصلہ صبر اور برداشت عطا کرنا میرے مولا! جو کڑا امتحان میرے نصیب میں ہے مجھے اس میں کامیابی عطا کرنا میرے مالک! میرے پاپا

کے سامنے میرا بھرم رکھ لینا۔" وصی شاہ کا تصور کیا تو بے تحاشہ رونا آ گیا۔ "میرے پاپا پہلے ہی بہت ٹوٹے ہوئے ہیں انہیں میرا دکھ نہ دکھانا میرے مولا! مجھ میں اتنی ہمت پیدا کر کہ میں برداشت کر سکوں۔ اتنے معصوم چہرے کے پیچھے اتنا سفاک اور ظالم شخص بھی ہو سکتا ہے۔" وہ سسک پڑی۔

تو راعیہ صاحبہ! آج سے تم کو دوہری زندگی گزارنی ہے کمرے کے اندر الگ اور کمرے کے باہر الگ...... ٹھنڈی سانس لے کر حنائی ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں رگڑتی ہوئی سوچنے لگی۔ آج کی خوب صورت رات کو بھی سسکیوں کی نذر ہونا تھا۔ وہ روتی رہی اپنی تقدیر پر ماتم کرتی رہی اور جب تھک گئی تو خاموشی سے اٹھی اور بیڈ کے دوسرے کونے پر منہ دوسری طرف کر کے لیٹ گئی۔

"سنو جب زہاد پاس آئے تو......" کانوں کے قریب سرگوشی ابھری اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو ربیعہ اور حریمہ اسے زہاد کو ستانے اور تنگ کرنے کے گُر سکھا رہی تھیں۔ ہلکی سی سسکی اس کے لبوں سے نکلی ساری رات وہ بے آواز سسکتی رہی اور زہاد آرام سے سوتا رہا۔ اذانِ فجر کی آواز کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی زہاد ابھی تک سو رہا تھا۔ وہ اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی دیر تک شاور لے کر اور وضو کر کے نکلی تو وہ جاگ چکا تھا اور بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔

"نئی زندگی کی پہلی صبح مبارک ہو کیسی لگی؟" راعیہ کو دیکھ کر کاٹ دار جملہ اچھالا۔

"نئی صبح نئی زندگی...... خدا نہ کرے کہ کسی کو ایسی زندگی اور ایسی صبح نصیب ہو۔" زہاد کے چہرے پر بھرپور نگاہ ڈال کر ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہتی ہوئی جائے نماز بچھانے لگی۔

زہاد فریش ہو کر آیا تو جب تک راعیہ نمازِ فجر ادا کر چکی تھی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے لمبے سلکی بالوں کو سلجھا رہی تھی۔ لمبے بالوں سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا لائٹ گرین ہلکے کام والے سوٹ میں میک اپ سے عاری چہرہ رات بھر کی جاگی سرخ اور متورم آنکھیں چہرے پر پھیلا سوگوار حسن جس نے اسے جاذبِ نظر بنا دیا تھا۔ زہاد نے دیکھا تو ایک لمحہ دیکھتا رہ گیا اپنے گھنے بالوں کو تولیے سے رگڑتا لائٹ بلو شلوار قمیص میں نکھرا نکھرا سا زہاد اس کے دل میں اترا جا رہا تھا۔ وہ نماز پڑھ کر اٹھا تو دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ زہاد نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

"نئی زندگی کی پہلی خوب صورت صبح مبارک ہو۔" ربیعہ اور حریمہ تھے۔

"شکریہ بھابی!"

"کیا حال ہیں جناب؟" ربیعہ نے شوخ نظروں سے زہاد کو دیکھا۔

"الحمدللہ بھابی! جس کو اتنا حسین اور چاہنے والا ساتھی مل جائے اس کو اور کیا چاہیے؟" زہاد نے محبت پاش نگاہوں سے راعیہ کو دیکھتے ہوئے کہا' راعیہ نے سر اٹھا کر زہاد کو دیکھا۔ اس کے کرخت رہنے والے چہرے پر حسین اور دلفریب مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں میں خوب صورت جذبے اور والہانہ پیار تھا۔

"اُف...... کتنا دھوکے باز انسان ہے۔" راعیہ آنکھیں پھاڑے اس دوغلے شخص کو دیکھنے لگی۔ رات والے اور ابھی والے زہاد میں کتنا فرق تھا' رات کو جس منہ سے لفظوں کے زہریلے تیر نکل رہے تھے اس وقت اسی منہ سے محبت اور جذبات میں ڈوبی چاشنی گھلی ہوئی تھی' ربیعہ اور حریمہ مسکرا دیئے۔

"اور سنایئے دلہن بیگم!" حریمہ قریب آ کر سرگوشی میں گویا ہوئی۔ "زیادہ تنگ تو نہیں کیا دلہا میاں نے؟" راعیہ کا دل ایک دم ہی بجھ گیا اس نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں' مبادا آنکھوں میں آئی نمی گزشتہ رات کے راز افشاں نہ کر دے۔

"پلیز بھابی! ہماری نازک سی بیگم کو تنگ نہ کریں' ہم نے پہلے ہی رات کو انہیں اچھا خاصا تنگ کر لیا ہے۔" قریب آ کر زہاد نے ربیعہ سے مخاطب ہو کر ذومعنی جملہ کہہ

دیا۔ راعیہ نے تڑپ کر اس دشمن جاں کی طرف دیکھا جو آنکھوں میں بے تحاشہ پیار لیے مسکرا رہا تھا۔

"اُف..... یہ شخص تو مجھے پاگل کردے گا۔" راعیہ نے بے بسی سے نگاہیں جھکالیں۔

"ہاں جی ہاں، ہم تنگ نہیں کررہے آپ کی بیگم کو، ہم تو مزاج پرسی کے لیے آئے تھے آپ خود ہی سنبھالیں اور ہاں آپ لوگ ناشتا یہیں کریں گے یا ہمارے ساتھ؟" ربیعہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم آتے ہیں بھابی سب کے ساتھ کریں گے۔" راعیہ نے جلدی سے کہا تو ربیعہ نے اس کا ماتھا چوما اور کمرے سے نکل گئی۔

"کیسی رہی میری ایکٹنگ؟" ذہاد نے قریب آکر آہستگی سے پوچھا۔ راعیہ نے جھلملاتی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا اور بنا کچھ کہے اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ ذہاد نے بھرپور قہقہہ لگا کر سگریٹ جلائی اور صوفے پر بیٹھ کر کش لگانے لگا۔

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بال بناتے ہوئے وہ اس سوچ میں تھی کہ کس طرح سب کا سامنا کرے گی۔ پاپا سے کیسے نظریں ملاسکوں گی؟ کس طرح خود پر کنٹرول رکھ کر سب کے سامنے مسکراتی رہوں گی اور اپنے دل کے اندر اٹھتے دکھ اور تکلیف کو کس طرح چھپاؤں گی؟

"کیا سوچ رہی ہو؟" وہ پاس آکر بولا۔ وہ بے بسی سے تکتی رہ گئی۔

"سنو! یہ روتی بسورتی شکل اور اپنی یہ نحوست یہیں کمرے میں چھوڑ کر جانا، اگر وہاں جاکر کوئی ڈرامہ کیا تو..... تو وہیں ڈراپ سین بھی کردوں گا سب کے سامنے۔" کتنی بے رحمی سے وہ حکم دے رہا تھا۔

"واہ جی! زخم بھی دے رہا تھا اور مرہم پاشی کی اجازت بھی نہ تھی۔" اس نے بے بسی سے سر جھکالیا۔ "ڈراپ سین..... کہیں اگر اس نے طلاق..... نہیں نہیں..... اللہ نہ کرے۔" وہ تڑپ گئی۔ "پاپا تو مرجائیں گے۔"

"چلیں محترمہ! ناشتے کے لیے کوئی دعوت نامہ نہیں آنے والا۔" طنز کا تیر چھوڑا تو وہ خیالات سے چونکی اور جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ناشتے پر سب لوگ موجود تھے دادو، ذکی شاہ، نقی شاہ، عرفانہ، تسکین، تابندہ خالہ اور ان کے شوہر تابندہ خالہ نے آگے بڑھ کر محبت سے اس کا ماتھا چوم کر پیار بھری دعائیں دی تھیں۔ تابندہ خالہ کے لہجے میں مٹھاس تھی، پاپا سے مل کر راعیہ کی آنکھیں خود بخود بھیگنے لگی تھیں۔ دفعتاً اس نے ذہاد کی جانب دیکھا، ذہاد کی آنکھوں میں عجیب سی وارننگ تھی، راعیہ نے فوراً ہی خود کو سنبھالا۔ کتنا جان لیوا اور تکلیف دہ تھا اس طرح ڈبل مائنڈ ہوکر جینا، دل میں کچھ اور لب پر کچھ، چہرے کے تاثرات اور دلی کیفیت میں تضاد کے ساتھ زندگی کیسے گزاری جاسکتی ہے۔

"آجا میری بچی، میری جان!" دادو نے اسے سینے سے لگالیا۔ "اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو ڈھیر ساری خوشیاں دے سدا سلامت رہو۔" دادو نے ڈھیر ساری دعائیں دے ڈالیں۔ ذہاد بڑے خوش گوار موڈ میں ناشتا کررہا تھا، وصی شاہ سے بھی نارمل رویہ تھا۔ اس نے تھوڑا سا ناشتا کیا، دل کہاں چاہ رہا تھا کچھ بھی کرنے کا۔

"جاؤ بچی تھوڑا آرام کرلو رات کو بھی ولیمے کی تقریب میں تھکن ہوجائے گی۔" دادو نے راعیہ کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خوشی سے اٹھ گئی۔

"ذہاد میں نے تو تمہیں چاہا تھا، پیار کیا تھا تم سے۔ دل کی تمام شدتوں کے ساتھ محبت کی تھی اور تم نے..... کیا محبت میں یہ صلہ ملتا ہے؟" کمرے میں آکر وہ صوفے پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔



رات کو دعوتِ ولیمہ کی تقریب تھی، راعیہ شام سے ہی بیوٹی پارلر چلی گئی جب تیار ہوکر ہال پہنچی تو ہر آنکھ اسے دیکھتی رہ گئی۔ موو اور سی گرین کنٹراسٹ کا بھاری شرارہ خوب صورتی سے کیا گیا میک اپ اور نفیس جیولری میں اس کا ملکوتی حسن دوچند ہورہا تھا۔ بلیک سوٹ میں ذہاد بھی بہت خوب صورت لگ رہا تھا، ہال میں داخل ہوتے ہوئے

گرم جوشی سے راعیہ کا ہاتھ تھاما تو راعیہ کا سرد اور ملائم نازک ہاتھ زہاد کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں آیا تو راعیہ کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ ویسے کی ساری تقریب میں زہاد والہانہ انداز سے اسے دیکھتا رہا' خوب صورت جملے اچھالتا رہا۔ بے تابی اور بے قراری کا اظہار کرتا تھا اور راعیہ اس کی باتوں پر تڑپ کر رہ جاتی' زہاد کی والہانہ نظروں سے راعیہ کا پور پور بکھرنے لگا۔ وہ اندر سے ٹوٹ رہی تھی۔

"کاش...... کاش...... یہ حقیقت ہوجائے۔" وہ دل ہی دل میں سوچتی رہ گئی اور اس کی کامیاب ایکٹنگ کی داد دیتی رہی وہ بہت غضب کا کھلاڑی تھا اور وہ خود...... وہ خود بھی تو اپنا آپ چھپا کر ہنستی مسکراتی بیٹھی تھی۔

شادی کے ہنگامے سرد پڑے' وصی شاہ بھی مطمئن ہوگئے تھے اور زہاد نے بھی آفس جانا شروع کردیا تھا۔ تابندہ اپنی فیملی کے ساتھ واپس لوٹ گئی تھیں' جاتے وقت راعیہ کو سینے سے لگا کر ڈھیروں دعائیں دے گئی تھیں۔ زہاد اور راعیہ آج بھی کمرے میں اجنبیوں کی طرح رہتے تھے' حریمہ کی طبیعت آج کل کچھ خراب تھی وہ ماں بننے کے عمل سے گزر رہی تھی۔ اس کی شخصیت میں نیا پن اور اعتماد سا آگیا تھا۔ طلال ہر وقت اس کے آگے پیچھے لگا رہتا' یہ کھالو' یہ پی لو' آرام کرلو' باہر چلو...... طلال کا والہانہ پن اور حریمہ کی شرمگیں مسکراہٹ دیکھ کر راعیہ کے دل میں کچھ ہونے لگتا۔ اس وقت وہ خود کو ادھورا اور بے بس محسوس کرتی۔

"کیا میں بھی......؟" سوچتے ہوئے وہ بے حال سی ہوجاتی' زندگی جیسے ایک نقطے پر آکر ٹھہر گئی تھی وہ دہری زندگی گزارتے گزارتے تھکنے لگی تھی۔

اس روز موسم بہت حسین ہو رہا تھا سب لوگ آئس کریم کھانے جارہے تھے زہاد اور راعیہ کو بھی کہا۔

"تم لوگ چلو ہم اپنی بیگم کو لے کر آتے ہیں۔" زہاد نے راعیہ کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"واؤ یار راعیہ! تم نے تو سچ مچ زہاد کو بدل کر رکھ دیا۔" ربیعہ نے ہنستے ہوئے راعیہ کو مخاطب کیا۔

"ارے بھابی جس شخص کو ایسا شریک سفر ملے وہ تو ہواؤں میں ہی اڑے گا ناں۔ میں تو تھوڑا سا چینج ہوا ہوں۔" زہاد نے قہقہہ لگا کر کہا۔ وہ چادر اوڑھنے کے لیے کمرے میں گئی تو نہ جانے کیوں اس کی خوب صورت آنکھوں میں آنسو مچلنے لگے۔

"کیا ہوا جاناں؟" زہاد نے قریب آکر محبت سے چُور لہجے میں کہا۔

"زہاد پلیز! بس کریں میں نہیں جی سکتی دہری شخصیت کے ساتھ۔" وہ رو پڑی۔

"ارے واہ بس اتنے سے دنوں میں عاجز آگئیں تم اور میری خالہ بیس سال سے یہ اذیت برداشت کررہی ہیں۔ بند کرو یہ ڈرامے بازیاں' باہر سب ہمارا انتظار کررہے ہیں۔" آنکھوں میں نفرت لیے وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔



کچھ دن گزرے تو اس بات نے تو راعیہ کے ہوش اڑادیئے کہ لاہور میں بزنس سنبھالنے والے احسان صاحب کی اچانک موت ہوگئی ہے اور وہاں فی الفور کسی کو پہنچنا ضروری ہے اور جب راعیہ کو یہ پتا چلا کہ وہاں اسے اور زہاد کو بھیجا جارہا ہے تو وہ بُری طرح گھبراگئی۔

"ارے نہیں تائی امی!" اس نے بے ساختہ کہا۔

"کیوں بیٹی تم ایسا کیوں نہیں چاہ رہی ہو۔ کوئی پرابلم ہے کیا؟" ذکی شاہ نے پوچھا۔

"جی...... جی نہیں...... بس وہاں اکیلے رہنے کی تصور سے......" وہ منمنائی۔ اصل مسئلہ تو زہاد کے ساتھ رہنے کا تھا۔

"بیٹی اس وقت باسل اور ربیعہ نہیں جاسکتے کیوں کہ اس کی بیٹی کے ایگزام ہونے والے ہیں۔ طلال اور حریمہ کا جانا مشکل ہے کیوں کہ حریمہ کی حالت ایسی ہے کہ وہ اکیلی نہیں رہ سکتی اس کی ڈلیوری کا مسئلہ ہے اور زہاد اکیلا نہیں رہ سکتا' اس لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے۔" عرفانہ بیگم نے اسے سمجھایا۔

"ارے یار میں ہوں نا...... کیوں پریشان ہوتی ہو۔" ذہاد نے اسے تسلی دی تو وہ ذہاد کو دیکھنے لگی۔

"اس دشمن جان کے ساتھ چوبیس گھنٹے کیسے رہ پاؤں گی یہاں تو کم از کم دن بھر اِدھر اُدھر گھومتی رہتی سب کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا' کھانا پینا' گھومنا سب کچھ ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ رہنا جس کی آنکھوں میں راعیہ کے لیے حقارت ہوتی' جس کے دل میں راعیہ کے لیے کبھی بھی کوئی نرم جذبہ نہ ابھرا ہمیشہ تلخ اور زہر میں بجھے لفظ ہوتے۔ یا اللہ! یہ کیسا امتحان ہے؟" کپڑے پیک کرتے ہوئے وہ رو رہی تھی۔

"رونا کس بات کا ہے...... میری میت پر جا رہی ہو کیا؟" وہ سر پر کھڑا تھا۔

"اللہ نہ کرے۔" وہ بے ساختہ بولی' ذہاد کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"دل میں تو "آمین" کہا ہوگا ہے ناں۔" وہ بالمقابل بیٹھ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"پلیز ذہاد!" اس نے بے دردی سے اپنے ہونٹ کچلے۔

"ویسے سچ سچ بتانا دل تو چاہتا ہوگا نا کہ کب میں مروں اور کب تمہاری جان چھوٹے ہے ناں......" وہ صبر آزمائے جا رہا تھا۔

"خدا کے لیے ذہاد! مت آزمائیں میرا صبر۔" وہ ہلکے سے چیخی اور روتی ہوئی واش روم کی طرف بھاگی' پیچھے ذہاد کا قہقہہ ابھرا۔

دیر تلک منہ دھوتے ہوئے ڈھیر سارے آنسو بھی بہا ڈالے طنز کا' تکلیف اور دکھ دینے کا کوئی لمحہ وہ ضائع نہیں کرتا تھا۔ نت نئے طریقوں سے کچوکے لگاتا اس کی روح کو چھلنی کیے جاتا اور ساتھ ساتھ زخموں پر نمک پاشی بھی کرتا رہتا۔



آخر کار وہ اور ذہاد لاہور آ گئے' اچھا بھلا بڑا سا گھر تھا احسان صاحب کے گھر کام کرنے والے ملازم نے ضرورت کی ہر چیز لا کر رکھ دی تھی۔ صفائی بھی ہو چکی تھی' ہلکا پھلکا سا سامان سیٹ کر کے راعیہ نے باتھ لیا تھا۔ ذہاد بھی باتھ لے کر آیا تو راعیہ چائے بنا لائی' احسان صاحب کے ملازم نے کچن میں بھی ضرورت کا سامان رکھ دیا تھا مغرب کی نماز پڑھ کر وہ کچن میں آ گئی فریج سے چکن نکالی' ذہاد کو چکن کڑاہی پسند تھی اس نے کھانے میں چکن کڑاہی پکالی ذہاد گھر سے باہر گیا ہوا تھا۔

کھانا تیار کر کے وہ لاؤنج میں آ گئی اور ٹی وی آن کر لیا' اِدھر اُدھر کے پروگرام دیکھتی رہی' نو بجے ذہاد آ گیا۔ وہ لاؤنج سے اٹھ کر کچن میں آ گئی تاکہ کھانا گرم کر سکے' عام سے کاٹن کے بلو اور گرین سوٹ میں لمبے بالوں کو کیچر میں جکڑے وہ کام میں مصروف تھی' ذہاد اسے دیکھ رہا تھا۔ کھانا ٹیبل پر لگا کر ذہاد کو آواز دی تو ذہاد ہاتھ دھو کر ٹیبل پر آ بیٹھا' چکن کڑاہی' روٹیاں' سلاد' وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگا جھوٹے منہ اسے بلایا تک نہیں۔ عجیب اِل منیرڈ ہے وہ دل میں سوچنے لگی ڈٹ کر وہ کھاتا رہا کھانا کھا کر ٹی وی دیکھنے بیٹھ گیا' وہ خاموشی سے برتن سمیٹنے لگی۔

کچن صاف کر کے راعیہ کمرے میں آ گئی' بہت اداس تھی وہ یہاں اس کے ساتھ رہنا کسی عذاب سے کم نہ تھا مگر گزارا تو کرنا ہی تھا۔ اسے خود کو ان حالات میں ایڈجسٹ تو کرنا تھا کہ نہ جانے کتنے دن اسے یہاں رہنا تھا۔

دن سست رفتاری سے بے کیف انداز میں گزر رہے تھے تقریباً روزانہ گھر سے فون آ جاتا سب لوگوں سے تفصیلی بات ہوتی۔ ذہاد صبح گیا آفس سے شام کو لوٹتا' وہی سرد مہری' بے گانگی اور بے اعتنائی ہنوز برقرار تھی' راعیہ اب ان باتوں پر دھیان نہ دیتی۔ چپ چاپ اس کی جلی کٹی سنتی رہتی اور اپنے کام میں مصروف رہتی۔

موسم بہت حسین ہو رہا تھا' صبح سے ہلکی ہلکی بارش نے موسم کی خوب صورتی میں اضافہ کر دیا تھا۔ ایسے موسم کی تو وہ بچپن سے دیوانی تھی' دل چاہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بارش کی برستی بوندوں میں نہاتی رہے اور اس وقت اسے آس پاس کا کوئی احساس بھی نہ رہے۔ اس وقت بھی یہی

کیفیت سے دوچار تھی' موسم کے حسن کو اپنے اندر اتار لینا چاہتی تھی' ساری رنگینیاں اپنے اندر سمو لینا چاہتی تھی۔ ایسے ہی موسم پر شاعروں نے کتنی حسین نظمیں کہی ہیں۔ ساون تو ملن کا تو کہیں جدائی کا نام ہے' کہیں ساون کی برستی بوندیں جسم و جاں میں آگ لگا دیتی ہیں تب ہی دل کرتا ہے کہ جانے والا لوٹ کر آ جائے۔

"زہاد کاش...... کاش تم بھی جاؤ۔ تمام تلخیاں بھول کر تمام رنجشیں مٹا کر۔" دل سے آہ نکلی۔

"کاش تم لوٹ آؤ۔"

سنا ہے......!

بارش برسی ہے' بہاریں لوٹ آئی ہیں

بہت رنگین موسم ہے' بہاریں لوٹ آئی ہیں

برستے بادلوں نے پھر سے' بہت سے تذکرے چھیڑے

تمہاری یاد کے منظر' میری آنکھوں میں پھر ٹھہرے

کہ

دھند میں لپٹے سرمئی بادل بھی لوٹ آئے

ہوا کا شور اور جھومتے منظر بھی لوٹ آئے

گرجتے بادل آ کر مجھے پھر سے سناتے ہیں

تمہارے ساتھ جو گزرے وہ منظر یاد آتے ہیں

میں کیسے مان لوں جاناں......

بہاریں لوٹ آئی ہیں

کہ جب تم لوٹ آؤ گے

تو یہ موسم بھی بدلے گا

بہاریں لوٹ آئیں گی

یہاں منظر بھی بدلے گا

سنو......

تم لوٹ آؤ ناں......!

دل بے حد اداس ہو رہا تھا' دوپہر کے بعد موسم نے مزید پلٹا کھایا اور تیز بارش شروع ہوگئی۔ راعیہ نے کمرے کی کھڑکی سے لان کا نظارہ کیا' کتنا حسین منظر تھا' سارے پودے بارش میں نہا کر مزید نکھر گئے تھے۔ گیٹ کے آس پاس لگی چنبیلی کی اونچی اونچی بیلیں اپنی بہار دکھا رہی تھی۔ اتنا حسین موسم تھا اور وہ...... وہ کتنی تنہا اور اداس تھی۔ اس موسم میں اگر...... اگر زہاد کا محبت بھرا ساتھ ہوتا تو وہ بے ساختہ لان میں چلی آئی' بارش میں بھیگتے رہنے سے جیسے وہ خود سے بیگانی ہوتی چلی گئی۔

نہ جان کتنی دیر تک وہ بھیگتی رہی اور جب تھک گئی تو برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی' ستون سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے آس پاس کے ماحول سے خود کو نہ نکال پائی' پانی کا شور اور مٹی کی سوندھی خوشبو اپنے اندر اتار لینا چاہتی تھی۔ فیروزی اور بلیک کاٹن میں جارجٹ کا دوپٹہ شانوں پر پھیلائے وہ بے خبر بیٹھی تھی' لمبے کھلے بالوں سے ٹپکتا قطرہ قطرہ پانی اس کی گود میں گر رہا تھا۔ زہاد گیٹ کا لاک کھول کر اندر آیا تو خود سے بے خبر آنکھیں موندے راعیہ کو دیکھتا رہ گیا' دھلا دھلا نکھرا چہرہ' معصوم سوگوار حسن اور بالوں سے ٹپکتا پانی زہاد کو بے قابو کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ آہستگی سے راعیہ کے قریب آ گیا' دل ناداں کوئی گستاخی کرنے کو مچلنے لگا' اس سے پہلے کہ وہ جذبات میں آ کر کچھ کر بیٹھتا' آہٹ پر راعیہ نے آنکھیں کھولیں' زہاد کو اس قدر قریب دیکھ کر گھبرا کر جلدی سے کھڑی ہوگئی۔ زہاد نے بھی جلدی سے خود کو سنبھال لیا' راعیہ بنا کچھ کہے اندر کی طرف بھاگی اور زہاد اس کے ملکوتی حسن کو دیکھتا رہا۔

کچھ دیر بعد وہ زہاد کے لیے چائے لے کر لاؤنج میں آئی' وہ باتھ لے کر کپڑے چینج کر چکی تھی۔ ریڈ اور فان کلر کے سوٹ میں سلجھے ہوئے بالوں میں وہ اب بھی بلا کی حسین لگ رہی تھی' زہاد کو چائے تھما کر وہ کمرے میں آ گئی۔ وہ فوراً اس کے سر پر پہنچ گیا۔

"سنو! یہ حرکتیں کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟" اچانک بے تکے سوال پر وہ حیران رہ گئی۔

"کیوں میں نے کیا کیا؟" معصومیت سے الٹا سوال کر ڈالا۔

"بارش میں بھیگ کر یوں خود کو شو آف کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟ بہت حسین ہو' مجھے امپریس کرنا چاہتی ہو ان حرکتوں سے؟ مگر یاد رکھو میں تمہاری ان فتنے بازیوں

میں نہیں آنے والا۔" کس قدر چھوٹی اور عامیانہ بات کررہا تھا ایک پڑھا لکھا اور سمجھ دار انسان تو کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ تڑپ اٹھی۔

"پلیز ذہاد اب بس بھی کردیں۔" وہ چیخی۔ "اپنے ہاتھوں سے جلاڈالو مجھے تیزاب پھینک دو میرے چہرے پر بگاڑ دو میری شکل ہاتھ پیر توڑ کر مجھے اپاہج بناڈالو۔ میں کیا کروں؟" وہ بُری طرح رودی اور ذہاد بک بک کرتا ہوا کمرے سے جاچکا تھا۔

بیڈ پر گر کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یااللہ میرے نصیب میں کب تک جلنا ہے؟ ہجر کے عذاب کب تک سہنے ہیں؟ یوں پل پل قطرہ قطرہ زہر کب تک اتارتی ہوں اپنے اندر؟ میں نے تو دل کی تمام تر سچائیوں کے ساتھ خلوصِ دل کے ساتھ اس بے رحم کا ساتھ مانگا تھا اسے دعاؤں میں مانگا تھا اور وہی شخص مجھے مل تو گیا مگر...... میرا نہ بن سکا جو لفظوں کے نشتر سے مجھے روزانہ گھائل کرتا ہے سوچ سوچ کر نئے زخم دیتا ہے نئے کچوکے لگاتا ہے میں کیا کروں میرے رب مجھے حوصلہ دے وہ رب کے سامنے گڑگڑاتی رہی۔

❁......❁......❁

دن اسی طرح بے کیف بے رنگ اور اداسی کے ساتھ گزرتے جارہے تھے حریمہ ایک پیارے سے بچے کی ماں بن گئی تھی۔ راعیہ نے فون پر اسے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ مبارک باد دی تھی لیکن دل ویسے ہی اداس ہوگیا تھا۔ وہ کال بند کرکے پلٹی تو سامنے وہ دشمنِ جاں کھڑا تھا۔

"کیا ہوا...... منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟ خوشی نہیں ہوئی میرے بھائی کے گھر بیٹا ہوا ہے؟" طنز کا تیر پھینکا۔ "اوہ اب میں سمجھا۔" معنی خیز انداز میں کہہ کر اس کے قریب آگیا۔ "کیا سوچیں پال رہی ہو؟" زوردار قہقہہ لگا کر اس کی دکھتی رگ پر وار کیا۔ کیسا جادوگر ہے سب کچھ جانتا ہے سمجھتا۔

"ہاہاہا......" وہ قہقہہ لگانے لگا۔

"ذہاد! خدا آپ کو سمجھے بہت بُرے ہیں آپ۔ جتنے بھی تیر ہیں ترکش میں سارے ایک ساتھ ہی کیوں نہیں چلا دیتے قطرہ قطرہ کیوں مار رہے ہیں آپ؟" بے بسی سے احتجاج کیا۔

"واہ جی واہ ایسے کیسے تمہیں ایک ساتھ ہی چھٹکارا دے دوں؟" اس کا لہجہ ایک دم سفاک ہوگیا۔ "میری خالہ تو بائیس سال سے قطرہ قطرہ مررہی ہیں اور تم...... تم کچھ ماہ میں بے زار ہوگئیں۔ نہ جی نہ...... تم کو بھی پل پل مرنا ہوگا ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہوگا۔ تم کو بھی ویسے ہی لمحہ لمحہ تڑپنا ہوگا۔" اس کی آنکھوں میں وحشت تھی راعیہ کانپ گئی۔ ہاتھ میں پکڑا موبائل ڈریسنگ پر پھینک کر وہ تیز تیز قدموں سے کمرے سے نکل گیا۔

❁......❁......❁

دن گزرتے جارہے تھے بے لذت بے کیف اور اداسی کے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک پل اور آنے والا ہر ہر پل اس کے لیے ذہاد سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا جارہا تھا برداشت سے باہر ہورہا تھا۔ چوبیس اپریل ان کی شادی کی تاریخ تھی تیئس اپریل کی صبح راعیہ کی طبیعت بہت مضمحل تھی۔ ایک سال ہوگیا تھا اور اس ایک سال میں ایک بار بھی ذہاد نے اسے محبت بھری نظر سے نہ دیکھا تھا۔ ایک جملہ بھی نارمل انداز میں نہیں کہا تھا سارا سال کتنے کرب و عذاب سے گزرا تھا اور ستم تو یہ تھا یہ سب کچھ اسے اکیلے برداشت کرنا تھا اپنا دکھ کسی سے بیان بھی نہیں کرسکتی تھی۔ زخم تھے مگر مرہم لگانے والا کوئی نہ تھا روح گھائل کی جارہی تھی مگر کوئی دل جوئی کرنے والا نہ تھا بہت بے چینی اور بے کیفی میں سارا دن گزرا تھا۔

اب ہمتیں جواب دینے لگی تھیں۔ دادو اور سب لوگ بہت یاد آرہے تھے سارا دن وہ روتی رہی۔ شام کو وہ آفس سے لوٹا تو راعیہ کسی حد تک خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہوگئی تھی حسب معمول رات تک گھر کے کام نپٹاتی رہی۔ رات کو سونے کے لیے آئی تو بارہ بجنے والے تھے اس کی نگاہ گھڑی کے مرکز پر ٹھہر گئی چوبیس اپریل چند منٹ بعد دن بدلنے والا تھا اس کی بربادی کا دن...... ٹھنڈی سانس

لے کر بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔ وہ کتنا بے خبر اور مطمئن تھا تب ہی گھڑی نے بارہ بجائے اور موبائل بھی بج اٹھا ربیعہ کی کال آئی تھی۔

"مینی مینی ہیپی ریٹرنز آف دی ڈے..... بیوٹی فل کپل۔" اسپیکر آن کر کے ذہاد نے کال ریسیو کی تھی۔

"تھینک یو سو مچ بھابی!" اس کے لہجے میں حد درجہ مٹھاس گھلی ہوئی تھی۔

"بھابی یار ابھی تو ہم اپنی بیگم کو وش کرنے لگے تھے کہ آپ نے ہمیں ڈسٹرب کر دیا۔" بھرپور قہقہہ کے ساتھ ترچھی نظر راعیہ پر ڈالی۔ راعیہ نے بے تحاشا مچلنے والے آنسوؤں کو روکنے کی ناکام کوشش کی اب حریم آ گئی تھی۔

"ذہاد بھیا! اب مجھے بھی جلدی سے چاچی بنایئے ناں!" اس کی شوخ آواز ابھری۔

"دعا کرو یار کوششیں تو جاری ہیں۔" وہ تو چوٹ لگانے میں ماہر تھا۔

"او کے بھئی اب ہماری بیگم سے بات کرو۔" اس نے موبائل راعیہ کو تھما دیا نہ جانے وہ لوگ کیا کیا کہتے رہے اور راعیہ آنسوؤں کو قابو کرتے ہوئے ہوں ہاں کرتی رہی۔

"ذہاد....." کال بند کر کے وہ ذہاد کی طرف پلٹی۔

"آخر کب تک..... کب تک مجھے اذیت دیتے رہیں گے۔ میں..... میں کب تک برداشت کروں؟ نہیں کر سکتی اور برداشت میں..... ایک سال سے ہر دن اور ہر رات ایک ایک پل میں نے عذاب میں گزارا ہے۔ روئی ہوں تڑپی ہوں۔ مسلسل چوٹ سے تو پتھر بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے میں تو انسان ہوں کمزور اور بے بس۔" وہ اس کے آگے بے بسی سے شکوہ کناں تھی مگر ذہاد تو اطمینان سے اخبار پڑھنے میں مشغول تھا جیسے وہ پاگل ہے بکواس کر رہی ہے اور اس کی بات کا اس کے احتجاج کا ذہاد پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا پھر وہ اٹھا اور گنگناتا ہوا واش روم میں چلا گیا راعیہ اپنے آنسو صاف کر کے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

اس وقت وہ ڈرائنگ روم میں سوئی صبح اٹھا تو ذہاد بالکل فریش اور مطمئن تھا ساری رات جاگنے اور مسلسل رونے کی وجہ سے راعیہ کی آنکھیں بوجھل اور متورم ہو رہی تھیں۔ روئی روئی آنکھوں پر پلکوں کی بھاری چلمن اس کے سوگوار حسن کو مزید حسین بنا رہی تھیں ناشتے سے فارغ ہو کر ذہاد آفس چلا گیا۔ دن بھر کسی نہ کسی کی کال آتی رہی دوپہر کو وہ بہت اداس ہوئی تو شادی کی سی ڈی دیکھنے بیٹھ گئی۔ وہ اس وقت کتنی خوش اور مطمئن تھی دادا، پاپا، تایا جی، تائی امی، طلال، حریم اور ربیعہ سب کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ سی ڈی بند کر کے لان میں آ گئی تب ہی تابندہ خالہ کی کال آ گئی۔

"بہت بہت مبارک ہو چندا! دیکھو ایک سال ہو گیا اللہ تعالیٰ تمہیں بہت ساری خوشیاں دے آمین۔ کہاں ہے وہ شریر؟" تابندہ نے کھنکتے ہوئے لہجے میں مبارک باد دے کر ذہاد کا پوچھا۔

"جی وہ آفس میں ہیں۔" راعیہ آہستگی سے بولی۔

"کیا آفس میں آج بھی آفس..... پاگل ہو گیا ہے کیا وہ؟ ایک تو تم اکیلی اور آج کے دن بھی وہ بے وقوف آفس گیا ہے۔" تابندہ نے قدرے غصے سے کہا۔ "چلو میں اس کے سیل پر بات کرتی ہوں۔" انہوں نے کال بند کر دی۔ تابندہ کا پیار بھرا خفگی لیے ہوئے لہجہ محبت اپنائیت بات میں ٹھہراؤ اور اطمینان کیا یہ عورت دہری زندگی گزار رہی ہے؟ کیا یہ اپنی زندگی سے مطمئن نہیں؟ کیا وہ اپنی زندگی ایک سمجھوتے کی مانند گزار رہی ہیں؟ وہ بھی اذیت میں ہیں بے شمار سوالات راعیہ کے ذہن میں آ رہے تھے جس کا جواب اسے نہیں مل سکا۔

"ہیلو خالہ! کیسی ہیں آپ؟" ذہاد نے تابندہ کی کال ریسیو کی۔

"اے ون فٹ اینڈ فائن۔" تابندہ نے جواب دیا۔

"بہت مبارک ہو شادی کی سالگرہ۔" تابندہ نے کہا۔ "اور تمہارا دماغ خراب ہے کیا جو آج کے دن بھی تم بچی کو اکیلا چھوڑ کر آفس میں دماغ کھپا رہے ہو۔ ایک تو وہ پہلے ہی گھر سے دور ہے آج کا دن اس کے ساتھ گزارنا تھا ناں پاگل۔ دل کر رہا ہے کان پکڑوا کر تمہیں اٹھک بیٹھک

کرواؤں۔"

"ہاں تو خالہ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ وہ تنہا رہے۔" زہاد نے کہا۔

"مطلب..... کیا چاہتے ہو تم؟" تابندہ اس کی بات سمجھ نہ پائیں۔

"خالہ! میں نے آپ کا بدلہ وصی چاچو کی لاڈلی بیٹی سے لینے کا جو فیصلہ کیا تھا یہ سب کچھ اس سلسلے کی ہی ایک کڑی ہے۔ وہ میری بیوی تو ہے مگر میرے پیار کو میرے ساتھ کو ترستی ہے۔ خالہ میں نہیں بھول سکتا وہ بھیانک رات..... دادا جی کی موت' آپ کو رد کیا جانا' آپ کی سسکیاں' وصی چاچو کے کمرے میں جا کر ان کی تصویر سے باتیں کرنا اور آج جب راعیہ روتی ہے' سسکتی' تڑپتی ہے تو مجھے بہت سکون ملتا ہے۔ بہت تسلی ہوتی ہے' اسے روتا بلکتا دیکھ کر اسے تڑپا کر۔" اس کے لہجے میں راعیہ کے لیے بلا کی نفرت تھی۔

"کیا..... کیا بکواس ہے یہ..... کیا بکے جا رہے ہو تم؟ کیا کر رہے ہو اس معصوم کے ساتھ؟" تابندہ آپے سے باہر ہو گئیں۔

"خالہ جس شخص نے آپ کو ٹھکرایا میں نے اس کی بیٹی کو پل پل ٹھکرایا۔"

"اُف خدایا..... یہ تم کیا بول رہے ہو؟ افسوس ہے مجھے تمہاری ذہنیت پر' تمہاری چھوٹی سوچ پر' اس جاہلانہ حرکت پر..... میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ تم اس قدر گر سکتے ہو' اتنی چھوٹی اور نیچ حرکت کر سکتے ہو تم کہ پچھلے ایک سال سے تم بے گناہ بچی کو اس کے ناکردہ گناہوں کی سزا دے رہے ہو۔ اُف خدایا میرا دل کر رہا ہے کہ تمہارا گلا گھونٹ دوں یا خود کو ختم کر ڈالوں کہ تم میری وجہ سے یہ سب کر رہے ہو؟ کیا میں نے کبھی تم سے اپنی دہری زندگی کا ذکر کیا ہے' کبھی کسی موقع پر تمہیں یہ لگا کہ میں ناخوش ہوں۔ میں اپنی زندگی سے مطمئن نہیں ہوں' میں نے کب تمہارے سامنے اپنے نصیبوں کا گلہ کیا؟ کبھی تمہارے سامنے روئی' تڑپی' کبھی یہ ظاہر کیا کہ میں خوش نہیں ہوں؟" تابندہ باقاعدہ رونے لگی تھیں۔ "احسن سے میرے تعلقات بہت اچھے ہیں' ہمارا کپل بہت خوش اور مطمئن زندگی گزار رہا ہے اور ایک بات یاد رکھو احسن وصی کے دوست تھے اور وصی کے کہنے پر انہوں نے مجھے اپنایا تھا۔ میری اتنی تعریفیں کیں کہ وہ بنا دیکھے مجھ سے شادی کرنے کو تیار ہو گئے اور ساری زندگی مجھے شہزادیوں کی طرح رکھا۔ مثالی محبت دی مجھے' میں تو اس بات کو کب کی بھول چکی ہوں' یہ تو سب نصیبوں کی بات ہے جس کے ساتھ نصیب جڑا ہو وہیں ہوتا ہے۔ اتنی کراہیت اور شرمندگی ہو رہی ہے' مجھے اپنے آپ سے نفرت ہو رہی ہے کہ تم نے میری وجہ سے ایک بیکار بات کو ایشو بنا کر کتنی گھٹیا حرکت کی ہے۔ لعنت ہے زہاد تم پر اور تمہاری گری ہوئی سوچ پر۔ میں تم کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گی۔" تابندہ کی آواز لرز نے لگی تھی اور دوسری جانب زہاد کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔

اس نے اپنا سر تھام لیا' وہ کیا کر بیٹھا تھا۔ "سوری خالہ! مجھے معاف کر دیں' میں غصے میں پاگل ہو گیا تھا۔" زہاد روہانسا ہو گیا تھا۔

"معافی..... مجھ سے معافی مانگ رہے ہو ارے معافی تو مانگو اس معصوم اور بے گناہ بچی سے جو صبر اور خاموشی سے تمہاری زیادتیوں کو برداشت کرتی رہی ہے۔" تابندہ کا غصہ ہنوز برقرار تھا۔

"خالہ پلیز آپ مان جائیں میں..... میں منالوں گا اسے بھی۔" وہ ملتجی تھا۔

"اگر تمہیں راعیہ معاف کرے گی تو آئندہ مجھ سے بات کرنا ورنہ نہیں۔" تابندہ نے حتمی انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔

"اوہ خدایا! یہ میں نے کیا کر دیا۔ بنا سوچے سمجھے جذبات کی رو میں بہتا چلا گیا اور ایک بات کو جواز بنا کر....." اس کی نگاہوں میں راعیہ کا معصوم اور سوگوار چہرہ آ گیا۔ دفعتاً اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر کی جانب چل دیا۔

"سنو! احسان صاحب کی بیوی نے ہمیں آج ڈنر پر

بلوایا ہے میرے آنے تک تم تیار رہنا۔" نکلنے سے پہلے اس نے راعیہ کو کال کی تھی۔ "ذرا اچھی طرح تیار ہونا آفس کے کچھ لوگ بھی ہوں گے۔" اس کی ہدایت تھی۔

راعیہ کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کی اور کافی دیر بعد گھر پہنچا اس نے ڈھیر سارے موتیا اور گلاب کے گجرے بھی لے لیے تھے۔

راعیہ وقت سے پہلے تیار ہوگئی تھی بلو اور گرین کنٹراسٹ کی ہلکے کام کی ساڑھی پہن کر وہ تیار ہوگئی ہلکا سا میچنگ نگینوں والا سیٹ پہنے لمبے بالوں کو شانوں پر ایسے ہی بکھیرے ہاتھوں میں میچنگ چوڑیاں پہنے سلیقے سے کیے گئے ہلکے سے میک اپ میں تیار ہوکر وہ کرسی پر بیٹھی تو ہلکا سا نیند کا غلبہ آ گیا۔ ذہاد اندر آیا اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا وہ بلا کی حسین لگ رہی تھی۔ وہ ذہاد کے دل میں اترتی چلی گئی پہلی بار ذہاد اسے اتنے قریب سے اور ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ذہاد یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

دل مچل رہا تھا اسے بانہوں میں بھرنے کے لیے جو اس کی بیوی تھی ہاتھوں میں پکڑی ڈھیر ساری موتیا کی کلیاں اس کی طرف اچھال دیں اور خود بھی قریب چلا آیا کلیوں کی مہک اور اس کے ساتھ ذہاد کے پرفیوم کی مخصوص مہک کے ساتھ اس نے آنکھ کھولی۔

ذہاد اتنا قریب تھا کہ اس کی سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کر کے وہ گھبرا کر کھڑی ہوگئی ذہاد نے اس کو کاندھے سے پکڑ کر دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا۔ ذہاد کو اتنا قریب پا کر وہ حیران تھی ذہاد کی آنکھوں میں آج کچھ نیا پن تھا کوئی خوب صورت جذبہ شرمندگی اور ندامت بھی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ذہاد نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کچھ کہنے سے روک دیا۔

"راعیہ پلیز...... میں اس قابل تو نہیں ہوں مگر مجھے پتا ہے تم بہت پیاری لڑکی ہو تمہارا دل بہت پیارا ہے اور تم......ضرور اپنے اس گناہ گار کو معاف کر دوں گی آئی ایم ویری سوری میری جان! مجھے معاف کر دو پلیز...... اگر تم تڑپی ہو تو یقین کرو کہ میں بھی بہت تڑپا ہوں تمہارے لیے

مگر...... نہ جانے کیسی ضد تھی؟ کیسا فضول خیال تھا میرا...... کیسی چھوٹی اور گندی سوچ تھی کہ میں نے تمہارے ساتھ اتنا کچھ کیا اتنا ظلم اتنی زیادتی لیکن تم...... تم بہت عظیم ہو۔ بہت اچھی ہو راعیہ اشکر ہے آج...... آج کے اس یادگار اور خوب صورت دن مجھے عقل آ گئی تابندہ خالہ نے مجھے بہت ڈانٹا اور مجھے اپنی غلطی کا احساس دلایا۔ میں واقعی بہت بُرا ہوں بہت بُرا...... معافی کے قابل بھی نہیں مگر پھر بھی مجھے تم سے امید ہے کہ تم مجھے معاف کر دو گی۔ میں تمہارے سامنے ہوں اپنی زیادتیوں اور کوتاہیوں کے ساتھ تم مجھے کوئی سزا دو مجھے قبول ہوگی۔ کیا...... کیا تم اپنے گناہ گار کو معاف کر دو گی؟" وہ اس کے سامنے نیچے فرش پر بیٹھا ہاتھ جوڑے معافی مانگ رہا تھا۔

راعیہ حیرت اور غیر یقینی انداز میں اسے دیکھے جا رہی تھی کہیں...... کہیں یہ خواب تو نہیں۔ وہ پلکیں جھپکا کر محسوس کر رہی تھی۔

"بولو ناں جان......" وہ سراپا سوال تھا۔ "میں ذہاد کی شاہ تمہارے سامنے ہوں فیصلہ سنا دو۔" وہ بدستور ہاتھ جوڑے ہوئے تھا راعیہ کو بے تحاشہ رونا آ گیا اتنی بڑی خوشی اس کے لیے غیر یقینی تھی۔

"نہ...... نہ...... میری جان! آج کے بعد ان آنکھوں میں کبھی بھی آنسو نہیں آنے دوں گا۔" ذہاد نے اٹھ کر دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا اور ہونٹ راعیہ کی گیلی پلکوں پر رکھ دیے۔

"بس اب مسکراؤ...... ہم باہر چل کر گھومیں گے ڈنر کریں گے ڈھیر ساری پکس لیں گے اور...... اور......؟"

"اور کیا......؟" راعیہ نے اپنی خوب صورت آنکھیں پھیلائیں۔ "اور ہمیں پھر ربیعہ بھابی اور حریمہ کی فرمائش بھی تو پوری کرنی ہے۔" وہ شوخی سے بولا تو راعیہ بلش ہوگئی۔

